

The Drinched Book

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222975

UNIVERSAL
LIBRARY

جملہ حقوق محفوظ

Marie Perle
The Nightingale

نواف ذرہ عظیم

یعنی

تعلیم جدید کے الحادی اثر کا ایک عبرت ناک قصہ

50

ترجمہ از

محترمہ مسٹر وائل صاحبہ یعنی بنت یوان نرندرناتھ صاحب ایم اے

Revised 1975

باہتمام دارالاشاعت پنجاب

۱۹۱۷ء

مطبوعہ یونین سٹیم پریس لاہور

نخلا اسئل

انگلستان میں سمندر کے کنارے ایک چھوٹے مگر نہایت سرسبز و خوبصورت گاؤں میں ایک شام کو کہ باؤ ہاراں کے سخت طوفان کے بعد آسمان صاف ہو گیا تھا۔ کالے کالے بادلوں کے وہ ٹہیب دل جو تھوڑی دیر پہلے سر بھوڑ چھوڑ کر لڑ رہے تھے اب علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور دُور مغرب کی طرف آفتاب کی دھندلی زرد روشنی کی جھلک کہیں کہیں نظر آ جاتی تھی + سمندر کی لہروں میں نواب تک وہی غیر معمولی تیزی تھی۔ وہ پہلے ہی کی طرح جھنجھلائی ہوئی آتی اور اپنا سر چمک ڈالتی تھیں۔ مگر ہوا میں اب تیزی کا نام نہیں رہا تھا۔ بلکہ سہاؤ کے خوشگوار جھونکے ادھر ادھر اگھیلیاں کر رہے تھے + چھوٹے چھوٹے مکزور پودے جن کو بارش کی تیزی نے بالکل زمین سے رگادیا تھا۔ اب سر اٹھانے کی کوشش میں تھے۔ اور ننھی ننھی چڑیاں گھونسلوں سے باہر آرہی تھیں + اتنے میں ایک نہایت پیاری چھوٹی سی طبلیل بے تابلی سے نکل کر ایک کھڑکی پر اگھٹی۔ اور بڑی سُر ملی اور میٹھی آواز میں کوئی سُر لاپنے لگی۔ گویا اندر بیٹھے والوں کو اپنی خوش الحانی سے سرور کیا چاہتی ہے +

اس چھوٹے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اور کوئی ننھا طالب علم ایک دستکبند کے پاس بیٹھا ہوا غور سے کچھ پڑھتا۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر میں پنسل سے کچھ نشان بھی کرتا جاتا تھا۔ بلب کے گیت کی دل لہجانے والی آواز کان میں آتے ہی بچے نے متوق سے اس کی طرف دیکھا۔ مگر کسی خیال کا آنا تھا۔ کہ فوراً اپنے جذبات کو ضبط کر کے نگاہ نیچی کر لی۔ اور پھر مصروف ہو گیا۔ یہ ضبط اور سنجیدگی کسی بوڑھے مہب یا لڑن کے کسی بنک کے مہر کے تو ضرور نمایاں تھی۔ مگر اس کم سن بچے میں ان اوصاف کا ہونا بہت ہی عجیب معلوم ہوا۔ عمر تو اس کی ابھی ۱۱ ہی سال کی تھی۔ مگر چہرہ زرد تھا۔ فکر آواز کان کے آثار بھی سے نمایاں تھے۔ یہاں تک کہ ننھی پیشانی پر سلوٹ تھی۔ اور آنکھوں سے ایسا سلوم ہوتا تھا۔ کہ کسی سوچ اور فکر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ یہ دیر تک پڑھتا اور سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ دن ختم ہونے لگا۔ اور حروف دھندلے دکھائی دینے لگے۔ چنانچہ اس نے اپنی گردن اُور بھی جھکا دی۔ جیسی کہ اس کے بال کتابوں سے چھوٹنے لگے۔ اور وہ ننھی چڑیا جو اسے اسی خوش نما منظر کا پیغام دینے آئی تھی۔ اس کی بے توجہی سے بالکل ملول ہو گئی۔ کم از کم اس نے اپنا سر بلاراگ بند کر دیا۔ اور چونچ سے پر جانے لگی۔ مگر حیرت سے بار بار اس کا منہ تکتی۔ گویا پوچھا چاہتی ہے۔ کہ جب ہر چیز شاد و خنداں۔ خوش و خرم نظر آرہی ہے۔ تو یہ بچہ کیوں افسردہ خاطر ہے؟

اس کمرے سے کچھ فاصلے پر آفتاب عالم کتاب اپنا نورانی چہرہ چھپا لینے کو تھا۔ اس کی سنہری شعاعوں نے دور دور تک پھیل کر ہر چیز کو پر نور بنا دیا تھا۔ سمندر کی سطح پر جو اب مقابلتاً بہت ساکن تھی۔ ایک سونے کی چادر بکھی ہوئی معلوم ہوتی۔ دور آفاق کسے پاس جہاں تک نظر کام کرتی۔ سنہری شعاعیں اپنا جمال دکھا رہی تھیں۔ بلکہ ایک سنہری کرن

کرفے کے اندر تک پہنچ کر نیچے کے سر کو چوم رہی تھی۔ کہ اتنے میں دروازہ کھلا۔ اور ایک
بتاش نوجوان اندر داخل ہوا۔ اور منہں کر لٹکے سے کہا:-

”ابھی تم پڑھ ہی رہے ہو لائنل۔ اب اس وقت جانے دو۔ بالکل شام ہو گئی ہے۔
اور آسمان صاف ہے۔ چلو ذرا باہر چلیں“

لٹکے نے ہنس کر مگر ذرا خوف کے لہجے میں کہا: ”کیا انہوں نے اجازت دے دی
مسٹر مونٹروز؟“

مسٹر مونٹروز نے ہنس کر مذاقاً جواب دیا: ”میں نے ان سے نہیں پوچھا۔ مگر میں کہتا
ہوں۔ بلکہ حکم دیتا ہوں۔ کہ تم چلو۔ میں تمہارا استاد ہوں۔ اور تم کو میرا کہا ماننا چاہئے“
لٹکے کا ہنس کر کھڑا ہو گیا۔ مگر اپنی کتاب کی طرف دیکھا۔ اور ذرا شرمناک لگنے لگا:-

”میں ابھی تک اس سوال کو سمجھا نہیں“

”اس وقت جانے دو۔ تم بہت تھک گئے ہو۔ پھر دیکھا جائے گا۔ اب چل کر مس
یمن کے ہاں ذرا چائے پئیں گے۔ کہو چلو گے؟“

”سنوور چلئے۔ مگر پہلے سمندر کے کنارے ہوتے جائیں گے۔ سورج غروب ہو
رہا ہے۔ اور مجھے سمندر کے کنارے سے اسے دیکھنا بہت ہی اچھا لگتا ہے“ یہ کہہ کر
وہ اپنی کتابیں وغیرہ اٹھانے میں مصروف ہو گیا۔ سب سے پہلے نہایت احتیاط سے
وہ کاغذ بن پر لکھ رہا تھا۔ لپیٹ کر رکھے۔ پھر پینل بنائی۔ قلموں کو پونچھا۔ کتابیں بہت
باقاعدہ الماری میں جمائیں +

مسٹر مونٹروز خاموش دروازے پر کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ وہ خود بہت
باسلیقہ اور نفیس طبع آدمی تھے۔ مگر اس وقت فطرتاً ان کو بھی یہی خیال آیا۔ کہ اگر یہ پتھر

سب چیز اسی طرح تتر بتر چھوڑ کر چلا آتا۔ تو مناسب و موزوں تھا +

جب تمام سامان باقاعدہ رکھ چکا۔ تو لوگ نے ان کی طرف دیکھا۔ اور کھوٹی سے ٹوپی اتار کر سر پر پہن لی۔ اور ان کی طرف بڑھا + مٹر مونٹر وزنہ بھی اپنی ٹوپی اوڑھی۔ چھتری ہاتھ میں لے کر نیچے اترے۔ اور مکان کے باہر چلے گئے + ننھا لائل آہستہ آہستہ ڈرتا ہوا قدم بڑھائے جاتا تھا۔ اور یہ دونو پائیں باغ کی طرف ہو کر پھاٹک کے قریب پہنچے۔ کہ اتنے میں اوپر کی منزل سے کسی عورت کی میٹھی آواز "لائلی" پکارتی ہوئی ان کے کان میں پڑی + نگاہ اٹھائی۔ تو ایک چمکتا ہوا خوبصورت چہرہ چنبیلی کے پھولوں میں جس کی ہیل کھڑکی پر تھی، دکھائی دیا +

"ہاں جان سلام" لائل نے کہا۔ اور اس کی طرف دیکھ کر بندگی کی + بچکے کی صاف اور نرم آواز سن کر عورت کی آنکھیں محبت سے بھر آئیں۔ وہ پیچھے ہٹی۔ اور غائب ہو گئی + اس کے تھوڑی دیر بعد ایک چھوٹی کشتی سمندر کی لہروں پر تیزی سے چلتی ہوئی نظر آئی + ولیم مونٹر وزنی۔ اسے نہایت اشتیاق سے چٹولے کھے رہے تھے۔ اور ماسٹر لائل ویلسکوٹ رئیس اعظم جان ویلسکوٹ کا نور نظر کشتی کے آخری کنارے بیٹھا ہوا تھا + اس کی نظر لہروں پر جمی ہوئی تھی۔ اور وہ نہایت شوق سے چھوٹی چھوٹی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ جو آتیں اور کشتی سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتی تھیں + ہزاروں چھوٹی چھوٹی پانی کی برندیاں جو ہیروں کی کینیوں کی طرح چاروں طرف بکھری جاتی تھیں۔ اس کو بہت ہی محفوظ کر رہی تھیں + یہ دیکھتے دیکھتے اس کو کچھ سنگھ نظر پڑے۔ جن میں بہت چھوٹے جانوروں کی ہستی تھی + اس نے اسے بڑے شوق سے اٹھا لیا۔ اور غور سے دیکھنے لگا + وہ ان چھوٹے حشرات الارض کو دیکھ رہا تھا + اور اسے صانع حقیقی کا خیال برابر دل میں تھا + یہ گیارہ

سال کا کم سن بچہ بڑھے عالموں کی طرح دیر تک سوچتا رہا۔ اور سوچتے سوچتے کچھ اداس سا ہو گیا۔ ان بے شمار جانوں کی ہستی سے کیا مطلب ہے۔ انہیں کس نے پیدا کیا ہے۔ وغیرہ ایسے ہی بہت سے خیالوں نے اسے پریشان کر دیا۔ اس وقت سب طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سمندر کے کنارے پہاڑوں کی چوٹیاں چمک رہی تھیں۔ مسٹر مونٹروز عجز سے نہیں۔ محبت بھری آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، شاید اسے اپنے وطن کے پُر فضا ساحل یاد آ رہے تھے۔ کہ یکا یک اس کی نگاہ اس پر پڑی، حیرت سے اس نے پوچھا: "تم کیا کر رہے ہو؟"

اس سٹکھ کی بستی کو دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے کیسے ننھے منے لوگ ہیں۔ ان کی جانیں بھی ایسی ہی قیمتی ہوں گی۔ جیسی ہماری ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا پیش بہا و فیئہ استاد کے سامنے کیا۔

مسٹر مونٹروز نے اس کی باتوں کا کچھ جواب نہ دیا۔ جیب سے طلائی گھڑی نکال کر دیکھا۔ اور جلدی میں کہا۔ چائے کا وقت ہے۔ ان کپڑوں کو وہیں ڈال دو۔ اور تم بھی چپولے کر کھینا شروع کرو۔

لائٹل یہ سن کر خوش ہوا۔ پہلے اس نے بڑی احتیاط سے سٹکھ پانی میں ڈال دیا۔ اور پھر اپنی طاقت بھر زور لگانے لگا۔ اس ورزش نے اس کے کلائے ہوئے زرد چہرے کو کچھ سرخ کر دیا۔ اور تکان کے آثار اب بالکل غائب ہو گئے۔

لائٹل نے ایک نظر آسماں کی طرف ڈالی۔ دوسری اپنے جھاگ سے بھرے ہوئے کپڑوں پر۔ اور منہ کر کہنے لگا: "آج ہمیں ضرور ڈانٹ پڑے گی۔"

"مجھے پڑے گی۔ تمہیں نہیں۔ مگر میری یہ آخری شام ہے۔ اس لئے مجھے پروا نہیں۔"

یہ سنا تھا۔ کہ لائل کی تمام خوشی غائب ہو گئی۔ اس نے حیرت اور افسوس سے کہا۔ آپ کی آخری شام ہے؟ نہیں۔ نہیں۔۔۔۔۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟

مشرمونٹروز نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔ اور کہنے لگا۔ چلو چائے پی لیں۔ بعد میں ہمیں بنا دوں گا۔ زندگی ہمیشہ اکیسا نہیں رہتی۔ ہمیں اس طرح تامل مآتے میں۔ جیسے نم نے ابھی سمندر میں دیکھا، ہمیں ان باتوں پر سمجھ کی نگاہ دانی چاہئے تھوڑی تھوڑی تکلیفوں۔۔۔۔۔ جدائیوں۔۔۔۔۔ وغیرہ کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ تم نے بہت دفعہ سنا ہو گا۔ کہ ہمارے پیارے سے پیارے عزیز بھی ضرور چھڑ جاویں گے، چلو اب ہم مس پین کے پاس چلیں۔ وہاں کچھ کھائیں گے۔ اور اس سے باتیں کرنے میں تمہارا جی لگ جاوے گا۔

لائل بالکل خاموش کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اور اس سے بات نہ کی جاتی تھی + آخر لیکے سے بولا۔ میں سمجھ گیا۔ ابا جان آپ کو واپس بھیجتے ہوں گے۔ مجھے تعجب نہیں۔ میں جانتا ہی تھا۔ کہ یہ ایک دن ضرور ہونا ہے +

یہ کہہ کر اس نے جلدی جلدی آنسو آنکھوں میں پچالئے۔ اور پھر کہنے لگا۔ مجھے بڑا ترس آتا ہے۔ میری کمزوری ہے۔ میں ہر وقت ہی یہ خیال کیا کرتا ہوں +

مشرمونٹروز نے ان باتوں کو مصلحتاً ٹال دیا۔ اور تھوڑی دیر میں کہنے لگا۔ لو اب چلنا چاہئے +

یکشتی سے اتر کر کنارے پر چلنے لگے۔ مگر دونوں کی چال میں بہت فرق تھا۔ ایک جلدی جلدی شوق سے قدم اٹھا رہا تھا۔ دوسرا آہستہ آہستہ لاپرواہی سے۔ گویا اس کی ٹانگیں اس کے دبلے پتلے جسم کا بوجھ بھی نہیں سہار سکتیں + یہ دونوں بالکل

خاموش تھے۔ درد بھرے خیالوں نے ان کے لبوں پر ٹہر لگا دی تھی، انہوں نے پیچھے مڑ کر طلوع آفتاب کے دل فریب منظر کو بھی نہ دیکھا۔ جس کے لئے وہ اپنے گھر سے روانہ ہوئے تھے، اس شاہ راہ کو چھوڑ کر وہ ایک گلی کی طرف مڑے۔ اور ایک جھونپڑی کے آگے۔ جو اوپر سے نیچے تک خوشبودار پھولوں میں لدی ہوئی تھی۔ کھڑے ہو گئے، اس کے آگے ایک تختے پر لکھا تھا:-

تازہ انڈے۔ لذیذ بالائی۔ مٹھائی۔ چائے وغیرہ ہر وقت مل سکتی ہے۔
 دیہقان عورت کی اس غریبانہ رہائش کے اندر داخل ہو کر استاد اور شاگرد نظر سے غائب ہو گئے، سمندر میں اب ہر لمحہ تلاطم کم ہو رہا تھا۔ اس کے ساحل پر اس وقت سوائے دو بوڑھے ملاحوں کے جو اس عظیم الشان بحر اعظم کی سطح کو دیکھ رہے تھے۔ اور کوئی نہ تھا، یہ دونوں کبھی کبھی چرٹ جلاتے اور باتیں کرتے تھے۔

خراک منکر

اسی شام کو جان ویلسکورٹ لاسٹل کے والد ماجد دیر تک اپنے کھانے کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک خوش وضع شخص سے جن کا نام نامی سر چارلس ایسلزیرو تھا۔ باتیں کرتے رہے، سر چارلس اس خاندان کے پرانے واقف تھے۔ اور جب کبھی یہ لوگ لندن میں ہوتے۔ اکثر آیا کرتے۔ اور ہر دفعہ ایک نہ ایک نیا چٹکلا ساتھ لاتے، کبھی کسی کی خانہ جنگیوں کا حال سنا کر۔ کبھی کسی کی بُرائی۔ کسی کی مذمت کر کے ان کو محفوظ کیا کرتے تھے۔ مگر آج شام اس چھوٹے گاؤں میں ان کا لشکر لیب لانا بہت ہی غیر متوقع تھا۔ اور اسی مضمون پر دونوں صاحبوں میں بات چیت ہو رہی تھی۔

سرچارلس۔ میرے ارادے کبھی پختہ نہیں ہوتے۔ جس وقت جو طبیعت میں آیا کر لیا، میرے ایک دوست یہاں قریب ہی رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے مدعو کیا تھا۔ اس لئے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوں +

مسٹر ویلسکورٹ۔ امید ہے آپ وہاں بہت خوش رہتے ہوں گے +
سرچارلس۔ آج تو کچھ طبیعت اُچاٹ سی ہو گئی تھی۔ دوپہر کو جی نہیں لگا۔ تو آپ سے ملاقات کا قصد کیا +

ویلسکورٹ۔ مگر آپ سے کس نے کہا۔ کہ ہم لوگ آج کل یہاں ہیں +

سرچارلس نے مسکرا کر جواب دیا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے مقامات میں تو کوئی بھی بات چھپی نہیں رہتی۔ اور آپ نے تو یہاں کا سب سے بڑا مکان لیا ہے۔ تو کس طرح ممکن ہے۔ کہ آپ کا نام عوام کو نہ معلوم ہو؟ یہ مکان تو واقعی بہت ہی عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ مسٹر ویلسکورٹ نے جو مین کے پاس سے ہٹ کر ایک کھڑکی کے پاس آرام کرسی پر بیٹھی تھیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اور ایک انداز سے ہنس کر بولیں۔ مجھے تو بالکل پسند نہیں۔ نہایت مرطوب ہے۔ اور بالکل آراستہ نہیں۔ معلوم نہیں جان نے یہ ذلیل جگہ کیوں تبدیل آب و ہوا کے واسطے پسند کی +

مسٹر ویلسکورٹ نے ذرا سختی کے لہجے میں کہا۔ تم کو معلوم تو ہے کیوں پسند کی۔ مجھے اور تم کو تو اب اتنی بڑی عمر میں تبدیل آب و ہوا کی ضرورت ہی کیا۔ مگر لائٹل کو سمندر کی ہوا کی ضرورت تھی۔ اسی کی خاطر سے میں نے اسے اُور سب پر ترجیح دی + میں چاہتا تھا۔ کہ وہ بڑے شہروں کی بھیڑ بھاڑ اور شور و غل سے دور رہ کر اچھی طرح پڑھ سکے + اس جگہ ریل پر نہ ہونے سے لوگ بہت کم آتے ہیں۔ اور یہاں وہ اپنے

استاد کی نگرانی میں اچھی طرح پڑھ سکے گا۔

مسٹر ویسکورت کچھ نہ بولیں۔ اور منہ پھیر کر گھڑکی کے باہر درختوں کے پتوں کو جن پر اس وقت پانی کی چھوٹی چھوٹی بوندیں چاند کی خوش نما روشنی میں چمکتی ہوئی نہایت ہی پیاری معلوم ہو رہی تھیں دیکھنے لگیں + سر چارلس بھی تھوڑی دیر کچھ نہ بولے۔ پھر کہنے لگے ”آپ مونٹروز کو تو ہٹایا چاہتے ہیں“

”ہاں میں نے اسے نکال دیا۔ مونٹروز کی عمر بہت چھوٹی ہے۔ اسے تجربہ بالکل نہیں + وہ لڑکے کی جسمانی تربیت پر زیادہ زور دیتا ہے۔ داعی پر بالکل نہیں + مگر میرے خیال میں اب انگلستان کو پہلوانوں کی ضرورت نہیں۔ عقل والے اور عالم آدمیوں کی حاجت ہے“

”دونوں باتیں ساتھ ہی ساتھ ہونی چاہئیں۔ صرف ایک پر زور دینے سے کوئی خاص فائدہ نہیں“

ویسکورت ذرا خوش ہو کر بولے۔ میں بھی تو یہی کہتا ہوں۔ مگر مونٹروز بالکل اس قابل نہیں۔ کہ میری رائے سمجھ سکے + اس نے تو صاف مجھے کہ دیا ہے۔ کہ لائنل اس قدر کام کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور اسے کامل آرام کی ضرورت ہے + دوسری وجہ جس سے میں اسے رکھنا نہیں چاہتا یہ ہے۔ کہ اسے ابھی تک خدا کی ہستی کا یقین ہے + دنیا ہزاروں برس آگے نکل آئی ہے۔ ہماری تہذیب کہاں کی کہاں پہنچ گئی مگر اس کے دل سے ابھی وہ پُرانے وحشیانہ خیالات نکلے ہی نہیں“

”آپ کو پہلے معلوم ہونا۔ تو شاید آپ اسے رکھتے ہی نہیں“

”ہرگز نہیں“ اتنا کہ کر گھڑی جیب سے نکال کر دیکھا۔ اور کہنے لگے ”تھوڑی

دیر معاف فرمائیے۔ میں نے مونٹروز کو اس وقت آنے کو کہا تھا۔ اسے تنخواہ دینی ہے۔ وہ صبح ہی روانہ ہو جاوے گا۔

مسٹر ویلیکورٹ ہلکے سے اٹھیں۔ اور دروازے کی طرف بڑھیں، سر چارلس کی طرف مہربانی سے دیکھ کر بولیں: آپ گول کمرے میں آجائیے۔ مجھے کچھ کہنا ہے۔ یہ دونوں اس کمرے میں جو ذرا اُدُوب سے زیادہ اچھی طرح سجا ہوا تھا چلے گئے۔ مسٹر ویلیکورٹ دوسری طرف بڑھے۔ اور ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ جو پہلے تو شاید گودام تھا۔ مگر اب لائسنل کی پڑھائی کا کمرہ بنا لیا گیا تھا۔ یہاں مسٹر مونٹروز اپنے آقا کے منتظر بیٹھے تھے، ان کا چہرہ زرد تھا۔ اور کچھ اُداس سے معلوم ہونے لگے۔

مسٹر ویلیکورٹ نے آتے ہی الماری کا خانہ کھول کر اپنی بنک کی کتاب میں سے ایک چٹ پھاڑی۔ اور جلدی سے کچھ لکھ کر مونٹروز کو دے دی، اس کو دیکھتے ہی مونٹروز کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا، اس نے اسے واپس کر دیا۔ اور کہنے لگا: نہیں صاحب ٹھیک رقم دیجئے۔ میں ایک کوڑی زیادہ نہیں چاہتا۔

مسٹر ویلیکورٹ نے حیرت اور غصے سے دیکھا۔ جلدی سے وہ چٹ پھاڑی ڈالی۔ اور کچھ نوٹ اور اشرفیاں نکال کر میز پر ڈال دیں۔

مسٹر مونٹروز ان کی طرف دیکھ کر بولے۔ مجھے آج نہایت خوشی ہے۔ کہ آپ نے مجھے رخصت دی۔ میں خود مدت سے استغنا دینا سوچ رہا تھا۔ میں ہرگز اس معصوم بچے کے قتل میں آپ کا شریک نہیں ہوا چاہتا۔

یہ سنتے ہی ویلیکورٹ غصے سے تھگئے۔ اگر کوئی بلب کا گولہ بھی کمرے میں بھٹ

پڑتا۔ تو شاید وہ اس قدر نہ چونک پڑتے، اچھی طرح بول بھی نہ سکے۔ کہنے لگے، بہ.....
یہ..... بچے کا قتل! میں نے کیا ٹھیک سنا؟

”سچی ہاں۔ بچے کا قتل میں نے کہا، آپ خود خیال کریں۔ میں نے کیا کچھ غلط کہا؟
آپ کا ایک ہی بچہ ہے۔ جو خدا کے فضل سے نہایت ہی ذہین اور نیک لڑکا ہے، آپ
اسے کسی وقت کھیلنے نہیں دیتے۔ ورزش نہیں کرنے دیتے۔ کسی سے ملنے نہیں
دیتے، یہ کتنا ظلم ہے۔ یہ باتیں اس کی صحت پر بہت بُرا اثر کر رہی ہیں، آپ کسی ڈاکٹر
سے پوچھ دیکھیں۔ کہ کیا کہتا ہے۔ یہ بچے کا قتل نہیں۔ تو اور کیا کہوں؟“
”بس بکو نہیں۔ اپنی تنخواہ اٹھاؤ۔ اور چلے جاؤ۔“

مونٹروز نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ روپیہ اٹھا لیا۔ اور سلام تک کئے
بغیر باہر چلا گیا، ویلسکورٹ غصے میں بھرے ہوئے نھوڑی دیر وہیں بیٹھے رہے،
رفتہ رفتہ خیال آیا۔ کہ دوسرے پروفیسر صاحب جو آرہے ہیں۔ بہت ہی دانا اور
منطقی آدمی ہیں۔ جو کچھ نقصان اس کی صحبت سے لائیل کو پہنچا ہے۔ ضرور جلدی رفع
کر دیں گے۔

اس خیال نے انہیں کچھ ٹھنڈا کیا۔ اور کمرے سے نکل کر یہ پھر اسی طرف گئے۔
جہاں اپنے معزز زہمان اور گھر والی کو چھوڑ آئے تھے۔ مگر وہاں ان دونوں میں سے ایک
بھی نہ تھا، ایک نوکر سے معلوم ہوا۔ کہ سر چارلس تو بت ہوئی چلے گئے، اور بیگ صاحب
باغ میں ٹہل رہی ہیں، ویلسکورٹ کھڑکی کے پاس جا کر دیکھنے لگے، انہیں کوئی قدرتی
منظر بالکل پسند نہ تھا، چاند کی صاف ٹھنڈی روشنی کو باغ کے پودوں و درختوں پر
میں اٹکھیلیاں کرتے دیکھ کر طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ اور زور زور سے کھانسنے لگے۔ کہ

نظارے میں کچھ فرق تو پڑے +

یہ جگہ جہاں مسز ویلیکورت گھوم رہی تھیں۔ بہت پُرانا باغ تھا + مدت سے کسی نے دیکھ بھال نہ کی تھی۔ اس لئے پھولوں کے خوش نما پودے جو اکثر باغوں کی زیب و زینت ہوتے ہیں۔ یہاں بالکل نہ تھے۔ مگر خود رو گھاس اور بڑے بڑے سایہ دار درختوں کی کمی نہ تھی + یہاں ہی مسز ویلیکورت اپنا تمام وقت صرف کیا کرتی تھیں + شاید اس وقت بھی انہیں کے سایہ میں چھپی تھیں۔ کہ اپنے شوہر کو نظر نہ آئیں + ٹھوڑی دیر بعد اُن کی عمریلی آواز کوئی راگ گاتی ہوئی ان کے کان میں آئی + مسز ویلیکورت نے کچھ حقارت سے اس جانب دیکھا۔ اور دل میں کہا۔ کیسی عورت ہے۔ اگر کسی قوال کی بیٹی ہوتی۔ تو مناسب تھا + اس کی عادات و اطوار بالکل ایسی ہی ہیں۔ تعجب ہے۔ ایسے بڑے گھرانے میں کس طرح پیدا ہوئی + انہوں نے کھڑکی زور سے بند کر دی۔ اور ایک اخبار ہاتھ میں لے کر آرام کرسی پر بیٹھ گئے +

اُتار سے رخصت

دوسرے دن علی الصباح لائل اپنے کمرے کی کھڑکی کے آگے بیٹھا ہوا شوق سے مونٹرز کی راہ دیکھ رہا تھا۔ صبح کی تازہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائ نے اس کا دل و دماغ تازہ کر دیا تھا۔ اور اس کی طبیعت اس وقت کچھ بشاش تھی + وہ اس گاڑی کو دیکھنے کا جس پر مونٹرز جانے والے تھے۔ اور اس کے بگل کو سننے کا بے تابی سے منتظر تھا۔ بچوں کے ننھے دل خوش کرنے کو یہی معمولی باتیں جو ہمیں کچھ نہیں معلوم ہوتیں کافی ہیں + مگر لائل کی خوشی کا سبب ایک اور بھی تھا۔ جس کا ذکر اس نے ابھی تک کسی سے نہ کیا

تھا۔ یعنی آج اس نے قصد کیا تھا۔ کہ وہ تمام دن گھر نہیں لوٹے گا۔ اور ادھر ادھر بگھومنے میں وقت صرف کر دے گا۔

اس نے یہ ارادہ پڑھائی سے بچنے کو نہیں کیا تھا۔ یہ تو اسے معلوم ہی تھا۔ کہ آج تمام دن چھٹی رہے گی، نئے پروفیسر صاحب رات کو پینچنے والے تھے۔ اس لئے اس نے عزم کر لیا تھا۔ کہ آج تمام دن جی بھر کر کھیل لے گا۔ مگر باوجود اس کے بھی ٹھوڑی ٹھوڑی دیر بعد اسے اپنے استاد کی مفارقت کا خیال اُداس کر دیتا تھا۔ لائٹل کے بے شمار استادوں میں یہی پہلے شخص تھے۔ جو ہمیشہ اسے مہربانی اور شفقت سے پیش آتے رہے، یہی خیال آا کہ اس کو کبھی خوش اور کبھی ملول کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں مسٹر مونٹروز کھڑکی کے پاس آئے۔ اور بہت دھیمی آواز میں کہا: آہستہ سے نیچے آ جاؤ۔ اس وقت تک کوئی اٹھا نہیں ہے۔ ہم لوگ چپکے سے نکل چلیں گے، ابھی گاڑی جانے میں تو بہت دیر ہے۔ ہم پہلے مس مین کے ہاں کھانا کھائیں گے۔

لائٹل نہایت آہستہ سے نیچے اُترا۔ اور دبے پاؤں استاد کے ساتھ ہولیا۔ یہ دونوں جلدی پھاٹک سے باہر ہو گئے، لائٹل نے معذرت سے مونٹروز سے کہا۔ لایسے میں آپ کی کتاب لے چلوں۔ اور اس کے ہاتھ سے کتاب لے لی۔ اور پھر اس کی طرف مخاطب ہو کر بولا: آپ اب کہاں جاتے ہیں۔ کیا اب پھر کسی میرے ایسے ٹکے کو پڑھائیں گے؟

نہاں اساتذہ گرد تو مجھے شاید ہی کوئی اور ملے۔ تم بڑے تیز طبع ہو۔ میں جب تمہاری عمر کا تھا۔ تم سے آدھا علم بھی نہ تھا۔ لائٹل ٹھوڑی دیر تامل کر کے بولا۔

میں بالکل اکیلا رہتا ہوں۔ شاید یہی سبب ہے۔ کہ میں اور لوگوں سے مختلف ہوں۔

اگر میرے اُور بھائی ہوتے۔ تو شاید آبا جان میری تعلیم پر اتنا زور نہ دیتے۔
 مونٹروز نے نصیحت آمیز اور بڑی ہمدردی کے لہجے میں جواب دیا۔ تم زیادہ
 محنت نہ کیا کرو۔ تم بڑے کمزور ہو گئے ہو۔ جب کبھی تم کو نکان معلوم ہو۔ باہر چلے
 جایا کرو۔ اور میرا تو یہ خیال ہے۔ کہ تمہارے لئے کسی مدرسے میں داخل ہو جانا بہت
 بہتر ہوگا۔ اور اگر تم کو پھر اس دفعہ کی طرح درد سر کی یا سر گھومنے کی شکایت ہو۔ تو
 تم فوراً اس کا ذکر اپنی ماں سے کرنا۔

یہ دونوں اسی طرح باتیں کرتے ہوئے مس بین کے دروازے تک پہنچے +
 اس نے ان کو سلام کیا۔ اور کمرے میں بٹھا دیا۔ لائنل کو پیار کیا۔ اور بزرگانہ شفقت
 سے بولی۔ تم کو بہت رنج ہوگا۔ کہ تمہارا استاد آج جاتا ہے +
 ”جی ہاں بہت رنج ہے۔ مگر اس سے نتیجہ کیا؟ اگر میں برسوں تک رنجیدہ رہوں۔
 یا رویا کروں۔ تو بھی کچھ حاصل نہ ہو۔“

”یہ تو سچ ہے۔ مگر ہم لوگ سب ایسے سمجھ دار نہیں ہوتے۔ جیسے تم ہو۔“
 فٹوزی دیر باتیں کرنے کے بعد مس بین کھانا لانے چلی گئی۔ اور لائنل ایک کھڑکی
 کے پاس جا بیٹھا + اس پر پھولوں کی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ اور نسیم صبح کے سہاونے
 جھونکے ان سے معطر ہو ہو کر اندر آ رہے تھے + مونٹروز بھی اس کے پاس ایک کرسی
 پر بیٹھ گئے۔ اور کھڑکی کے باہر سبزہ و گلزار کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ ”یہ جگہ بہت پُر
 فضا ہے۔ مگر تاہم ایسی نہیں۔ جیسا سکاٹ لینڈ۔“

لائنل۔ کیا آپ اب سکاٹ لینڈ جاتے ہیں؟

مونٹروز۔ ہاں ابھی تو وہیں جاؤں گا۔ اس کے بعد پھر معلوم نہیں کہاں جانا ہوگا۔

میں تم کو بھی اپنے ساتھ لے جاسکتا۔ میری ماں ضرور تم کو بہت پیار کریں گی۔
 لائل خاموش رہا۔ اس کو حیرت ہوئی، کہ کسی دوسرے کی ماں کس طرح اس سے
 مانوس ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس کی اپنی ہی اسے پیار نہ کرتی تھی، اتنے میں مس بین
 نے نہایت لذیذ گرم گرم کھانا لاکر میز پر چن دیا، مونٹروز بڑے شوق سے کھانے میں
 مصروف ہو گئے۔ اور لائل نے بھی اگرچہ اسے بھوک تو نہ تھی۔ مگر اپنے استاد کی
 خاطر جس سے وہ بہت جلد جدا ہونے والا تھا۔ اچھی طرح کھایا۔ اور پھر ہلکے سے
 اٹھا۔ اور اپنا ننھا کانپتا ہوا ہاتھ مونٹروز کے بازو پر رکھ کر بولا، میں آپ کو کبھی بھولوں گا
 نہیں۔ آپ میرے سب سے تہربان اور پیارے استاد ہیں۔ اور میں گو تمام سبق تو یاد
 نہیں رکھ سکتا۔ مگر آپ کی حیرانیاں ہمیشہ یاد رہیں گی۔

اس کی آنکھیں اس وقت فرط محبت سے بھرائی تھیں۔ اور یہ فقرہ اس نے اس
 قدر محبت آمیز لہجے میں کہا۔ کہ مونٹروز کا بے اختیار جی چاہا۔ کہ اس کا ہاتھ چومے۔ اور
 اس کو ننھے معصوم بچوں کی طرح گلے لگا کر پیار کر لے۔ مگر انہوں نے مصلحتاً ایسا نہیں
 کیا۔ اور صرف پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے۔

”ہاں یہ تو ضرور ہے۔ مگر تم میری نصیحت بھی مت بھولنا۔ اگر تم کو نکاح معلوم ہوا
 کرے۔ تو تم ضرور پڑھائی چھوڑ کر کھیل کود میں لگ جانا، اگر اس پر کبھی ڈانٹ بھی پڑے
 تو خیال مت کرنا۔ اور یہ سمجھ لینا۔ کہ ڈانٹ کھانا بیمار ہو جانے سے بہتر ہے، صحت و دنیا میں
 بڑی نعمت ہے۔ دولت بھی اس کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔“

اتنے میں گاڑی کے بگل کی آوازاں کے کان میں پڑی۔ مسٹر مونٹروز چونک کر اٹھ
 کھڑے ہوئے۔ اور کچھ نقدی جیب سے نکال کر مس بین کو دے دی۔ اور کہنے لگے۔

”بہت کم وقت ہے۔ اب چلنا چاہئے“ یہ کہ کر یہ دونوں باہر نکل آئے۔ اور اس مقام کی طرف چلنے لگے۔ جہاں ان کے لئے گاڑی کھڑی تھی + راستے میں لائنل کہنے لگا۔
”آپ نوگھر جانے پر بہت ہی خوش ہوں گے“

مونٹروز نے ایک پہلو سے نوخوش ہوں۔ مگر دوسرے سے نہیں۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ تمہیں چھوڑ جانا ہوں۔ میری خواہش تھی۔ کہ تھوڑے دن تمہارے پاس رہ کر تم کو خطرہ سے بچاؤں۔“

لائنل حیرت سے بولا ”خطرے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟“

یہ اب اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے تھے۔ مونٹروز نے جلدی میں کچھ جواب نہ دیا۔ دونوں ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر بولا۔ گھر جا کر تم اپنے والد سے کہ دینا۔ کہ میں تم کو یہاں لایا۔ اور اگر وہ مجھ سے اس کی نسبت گفتگو کیا چاہئے۔ تو میرا پتہ بتا دینا۔ یہ الزام سب میرے سر ہے۔ تم فکر مت کرنا۔ اور اچھا اب خدا حافظ.... خدا کی.... برکتیں تمہارے اوپر ہوں“

لائنل نے بھی نہایت دھیمی آواز میں خدا حافظ کہا۔ اور مسکرانے کی کوشش کی۔

مگر رائگاں + اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ مونٹروز گاڑی پر چڑھ گئے اور اس کے تیزرہ گھوڑوں نے جلدی ان کو لائنل سے بہت دور کر دیا۔ انہوں نے پھر پکار کر خدا حافظ کہا۔ لائنل کو ہمت نہ تھی۔ کہ وہ بھی اسی طرح جواب دیتا۔ اس نے اپنی ٹوپی اٹھا کر سلام کیا۔ اور جب تک ممکن ہو سکا محبت بھری آنکھوں سے ان کو دیکھتا رہا۔ مگر اس نے آج پورا قصد کر لیا تھا۔ کہ دن بھر گھر نہیں جائے گا۔ اس نے یہاں کے گرجا کی نسبت بہت کچھ سنا تھا۔ اور چونکہ اس کے والد کی سخت مخالفت تھی۔ کہ یہ وہاں

تقدم نہ رکھے۔ اس کی طبیعت فطرۃً وہیں جانے کی طرف راغب ہوئی۔ اور اب آسٹروں کے موٹے موٹے قطرے جن کو وہ بہت دیر سے روک رہا تھا۔ ایک ایک کر کے اس کے رخساروں پر بسنے لگے، وہ حسرت سے سوچ رہا تھا۔ کہ اب نہ کبھی کشتی پر جانا ملیگا نہ کہیں باہر جاسکوں گا۔ نہ کھیل ہوگا۔ نہ تماشا۔ ہر وقت بوڑھے پروفیسر کیڈ منگور کا پہلو ہوگا اور میں +

پروفیسر کیڈ منگور اپنے علم اور تحقیقات کے لئے شہرہ آفاق تھے۔ ان کی لیاقت کے آگے بڑے بڑے فیلسوف اور نکتہ دان بیچ تھے، انہیں خیالوں میں غرقاب تھا۔ کہ لائنل اس گرجا اور قبرستان کے دروازے تک پہنچا۔ اور ہلکے سے چٹخنی اٹھا کر اندر داخل ہوا۔ کہ ان پرانی قبروں کے جن کے بسانے والے بت ہوئی دنیا سے اٹھ چکے تھے۔ دیکھے اور غور کرے +

قبرستان میں

اس قبرستان میں ایک نہایت پرانی شکستہ قبر پر ایک بلبل بیٹھی ہوئی تھی۔ جو تھوڑی تھوڑی دیر بعد کچھ پکار کر کہتی تھی۔ شاید وہ بھی لائنل کی طرح کسی عزیز کی رفاقت سے بے قرار تھی۔ اور اسے یاد کر رہی تھی، لائنل نے رفتار اور بھی دھیمی کر دی۔ اور پاس جا کر کتبہ پڑھنے لگا، اس کے چٹھے ہوئے حروف اس سے پڑھے نہیں گئے۔ بہ شکل ایک ایک لفظ بغور دیکھ دیکھ کر اس نے وہ چار پانچ سطریں کئی منٹ میں پڑھیں۔ اور دُور ہٹ کر کچھ سوچنے لگا۔ کہ کیا ایک اس کی نگاہ ایک شخص پر پڑی۔ جو اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہاتھ میں بھاؤ ڈرائے گڑھا کھود رہا تھا، لائنل کو

اس کے وہاں ہونے کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ ذرا چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس شخص نے نہایت مہربانی اور محبت کے لہجے میں کہا ”ڈرو نہیں بیٹا میں صرف اپنی ہمسائی کے لئے یہ کھود رہا ہوں“۔

ان شفقت آمیز الفاظ کو سن کر لائٹل کی کچھ ہمت بندھی۔ وہ دوڑ کر اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اور باتیں کرنے لگا۔

”میں ڈرا نہیں۔ صرف چونک پڑا تھا۔ کیونکہ مجھے نہ معلوم تھا آپ بھی یہاں ہیں۔ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ کتنا بڑا کڑھا کھڑا ہے۔“

”میری وہ ہمسائی ہمیشہ بڑی جگہ میں رہنا چاہتی تھی۔ وہ بڑی اچھی اور نیک عورت تھی۔ اور اب وہ چلی گئی ہے۔ مگر ہم سب کو بہت یاد آتی ہے۔“

”تو وہ مر گئی ہیں؟“

”ہاں جہاں تک اس فانی دنیا کا تعلق ہے وہ ضرور مر گئی ہیں۔ مگر یہ دنیا چیز ہی کیا ہے؟ ہم سب کو دوسری دنیا میں جانا ہے۔ اور اسی کا خیال ہم کو رکھنا چاہئے۔“

اتنا کہ کر وہ پھر مسرور ہو گیا۔ اور پھاوڑے سے اچھی طرح قبر کی دیواروں کو دست کرنے لگا۔ لائٹل بھی ایک گھاس کے ڈھیر پر جو پاس ہی تھا جا بیٹھا۔ اور بولا ”آپ ان سب واہیات باتوں کا کس طرح یقین کرتے ہیں۔ آپ تو اتنے بزرگ آدمی ہیں۔“

یہ پوڑھا بیچارہ حیرت سے مکنتہ میں رہ گیا۔ پھر ٹھوڑی دیر میں بولا ”تمہارے ایسے متصوم بچے کو یہ الفاظ مند سے نہیں نکالنے چاہئیں۔ خدا کی شان میں کہنا تمہارے سے چھوٹے لوگوں کو واجب نہیں۔ تمہاری تربیت کون کرتا ہے؟“

لائٹل بیچارہ کو جو محبت کا بھوکا... نہیں... کنگھلا تھا۔ اور کسی ذرا سی الفت

کی بات کو غنیمت جانتا تھا۔ خوف ہوا۔ کہ شاید اس نے اپنے اس مہربان کو ناراض کر دیا ہے۔ اس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ میرا نام لائسن ویلسکورٹ ہے۔ دہاتھ سے اشارہ کر کے، میں اس مکان میں رہتا ہوں۔ دیکھئے وہ اس کی چینی درختوں کے پیچھے سے دکھائی دے رہی ہے۔ میرے آبا جاجان میری تعلیم پر بہت غور کرتے ہیں۔ اور چھ برس کی عمر سے مجھے بڑے بڑے عالم پڑھاتے رہے ہیں۔ میرے آبا جاجان نے اور کل اُستادوں نے مجھے بتایا ہے۔ کہ دوسری دنیا کوئی چیز نہیں ہے۔ میرے آبا جاجان کہتے ہیں۔ کہ اب سوائے نیم وحشیوں کے کوئی اس کا یقین نہیں کرتا۔ تاہم تعلیم یافتہ آدمی اس کو صرف ایک فسانہ سمجھتے ہیں۔ اور واقعی یہ ممکن بھی کس طرح ہے۔ کہ جب جسم کو کڑے کھا چکیں۔ اور وہ خاک ہو چکے۔ تو ہم پھر جی سکیں۔ اسی خیال سے میں نے آپ سے کہا تھا۔ کہ آپ ایسی وہامیات باتوں کا کس طرح یقین کرتے ہیں۔ آپ معاف کریں۔ میرا مطلب ہرگز آپ کو ناراض کرنا نہ تھا۔

یہ شخص غور سے لائسن کا منہ دیکھتا رہا۔ اس کو اس بچھے سے یہ الفاظ سن کر حیرت ہوئی۔ مگر اس نے پیار سے کہا۔ "نہیں بیٹا۔ تم مجھے ناراض کیسے کر سکتے ہو؟ تم ابھی اتنے چھوٹے ہو۔ کہ میں تم سے خفا ہو نہیں سکتا۔ اچھا تو تم مسٹر ویلسکورٹ کے لڑکے ہو۔ میرا نام ریوین ڈیل ہے۔ اور میں اس گرجا کا چوکیدار ہوں۔ اور بھی بہت کام کرتا ہوں۔ سڑکوں کی مرمت کرنا۔ قبر کھودنا۔ وغیرہ جو کچھ کر سکتا ہوں۔ میرے یہ مضبوط بازو مجھے بہت مدد دیتے ہیں۔ اور خدا نے چاہا۔ تو شاید ابھی بہت دن ان کی بدولت روحی کاما سکوں گا۔ مگر وقت آئے گا۔ کہ یہ بھی ایک ایسی ہی قبر میں بے حس و حرکت پڑے ہونگے۔ مگر مجھے اس وقت ان کی ضرورت نہ ہوگی۔ میری روح کسی اور دنیا میں ہوگی۔"

اٹنل نے جلدی سے پوچھا: ”آپ کی روح سے کیا مراد ہے؟“

”میری مراد جسم کے اس حصے سے ہے۔ جو فانی نہیں۔“

”کیا روح ہم سب کو ملی ہے؟ یہ شاید ممکن نہیں۔ دیکھئے نیلی آنکھیں سب کی تو

نہیں ہوتیں۔ اگر آپ آبا جان کو کہیں۔ کہ ان کے روح ہے۔ تو وہ بہت ناراض ہوں۔ اور

اگر میں کسی طرح اپنے میں روح پیدا کر سکوں۔ تو وہ ضرور مجھ سے بھی خفا ہو جاوے۔“

ریون ڈسٹیل بیچارہ ان حیرت انگیز باتوں کو سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے کبھی اپنے

اس چھوٹے گاؤں کے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ اس کو نہیں معلوم تھا۔ کہ انگلستان کا سائنس

آج کل کتنی ترقی کر گیا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ کہ اس کے ملک کے بڑے بڑے

علماء اب خدا کی ہستی سے منکر ہو گئے ہیں۔ اس نے یہ باتیں آج پہلی ہی دفعہ سنی تھیں۔

وہ اس معصوم کے زرد اور پشمردہ چہرے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ میں تھا۔ کہ

کیا جواب دے۔ کیونکہ یقیناً اس کو یہ تو معلوم نہ تھا۔ کہ روح کس طرح پیدا کر لی جاتی ہے۔

اسی وقت ایک کم سن بچی جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی بے تابانی سے ان کی

طرف بڑھی۔ اس کے سنہری بال اس کے غیر معمولی حسین چہرے پر ادھر ادھر بکھرے

ہوئے نہایت خوب صورت لٹک رہے تھے۔ لائنل شوق سے اس کو دیکھنے لگا۔ ریون

نے بھی محبت بھری آنکھوں سے اپنی ننٹی بیٹی کی طرف نگاہ کی۔ اور کہنے لگا: ”اپنے

پوٹھے آبا کے لئے ناشتہ لارہی ہو؟ اسے گو د میں اٹھا کر پیار کیا۔ اور زمین پر کھڑا کر دیا۔

اس بچی نے ایک ٹوکری میں سے کچھ گرم گرم چیزیں نکال کر زمین پر چرچن دیں۔ اور باپ

کا سنے تلکے لگی۔

ریون نے کہا: ”دیکھو جبین تمہارے پاس ایک ننٹھا دوست آیا ہے۔ جاؤ اس

کی خیریت پوچھو، والد کے اشارہ پر یہ ننھی بچی دوڑی گئی۔ اور لائل سے مصافحہ کیا۔ اس کی خیر و عافیت پوچھتی ہی ہنستی ہوئی بھاگ گئی + لائل بھی کھڑا ہو گیا + ریون ڈیل ہنسنے لگا۔ اور بولا "جاؤ تم دوڑ کر اسے پکڑ لو" لائل کبھی دوڑتا نہیں تھا۔ اور بڑے اشتیاق سے اس معصومہ حسینہ کا تعاقب کیا + اس کو اس کی ٹوپی جھاڑیوں کے پیچھے دکھائی دی۔ یہ اس طرف ہولیا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر بھاگنے کے بعد بچی بالکل بے دم ہو گئی۔ اور لائل نے اسے پکڑ لیا + وہ اس کی طرف شرمائی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی "تم کون لڑکے ہو۔ تمہارا چہرہ مجھے بڑا اچھا لگتا ہے۔ اور لڑکے تو یہاں بہت میری صورت کے ہیں" لائل نے جواب نہ دیا۔ صرف پیار سے دیکھتا رہا + لڑکی نے اپنی جیب سے ایک سیب نکالا۔ اور بڑی فیاضی سے کہنے لگی "تم نہ کھاؤ گے؟ میں تمہیں کھلا دوں گی۔ اگر اس کا نرم حصہ تم مجھے دو" جیسن یہ لال لال سیب ہاتھ میں لئے ہوئے مسکرا کر لائل کی طرف دیکھتی ہوئی بڑی پیاری لگ رہی تھی + وہ اس سے باتیں کرنے میں بالکل محو ہو گیا + اس کو اس وقت وہ تمام فلسفہ جن کا وہ ہر وقت خیال کیا کرتا تھا بھولا ہوا تھا۔ صرف اتنا یاد تھا۔ کہ وہ ایک کم عمر لڑکا ہے۔ اور یہ ننھی بچی اس سے بھی چھوٹی۔ یہ خوب زور سے ہنسا۔ اور سیب اس کے ہاتھ سے لے کر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا + جیسن نے بڑی احتیاط سے کھایا۔ کہ صرف اس کا نرم حصہ تو وہ کھالے۔ اور باقی لائل کے واسطے رہے۔ اب باقی میں لے لوں۔ لائل نے کہا۔ اور اس کی بانہ پکڑ کر اس کو ایک پرانی قبر پر چڑھا دیا۔ اس کے کتبے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کی مکین مدت سے وہاں تھی۔ شاید اس کی ہڈیاں بھی اب باقی نہ رہی ہوں گی۔ لیکن اگر کوئی ایک حصہ بھی اس کے جسم کا باقی رہ گیا ہوگا۔

تو اس کو ہرگز ان معصوم بچوں کے ننھے قدموں سے جن کی پاکیزگی ہرگز فرشتوں کے قدموں سے کم نہ تھی۔ روزِ ناجانا بالکل ناگوار نہ ہوا ہوگا۔ ہاں باقی سب تم کھا لو۔
 لائل کو بھوک نہ تھی۔ مگر صرف مذاقاً اور رکھیل کے لئے اس نے بڑی خوشی سے
 کھایا۔ اور گر جا کے اندر چلیں۔ اہا روزہ کھلا ہی چھوڑ گئے ہیں +

گر جا کی سیر

لائل کو بتایا گیا تھا۔ کہ دنیا کا پیدا کرنے والا صرف ایک ذرہ ہے۔ جس کی حرکت اور حرارت سے اور ذرے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور کچھ مادے ایسے بن جاتے ہیں۔ جن سے دنیا کی یہ کل عجیب و غریب چیزیں ظہور میں آتی ہیں + اس کا تمام مفصل حال بڑی بڑی دلیلوں سے اس کے اتالیقوں نے اس کے ذہن نشین کر دیا تھا۔ اس کو معلوم تھا۔ کہ آج کل دنیا کا کوئی مذہب آدمی خدا کی ہستی کا معتقد نہیں۔ صرف جاہل بلکہ نیم وحشی لوگ عبادت الہی میں سرخرم کیا کرتے ہیں + مذہب کا نام و نشان تک اس کی نصاب تعلیم سے مٹا دیا گیا تھا + لائل دل میں سوچ رہا تھا۔ کہ یہ سچی انہیں نیم وحشی لوگوں میں سے ایک ہے۔ جو خدا میں یقین رکھتے ہیں۔ مگر اس کو اسے اتنا خوش دیکھ کر بڑا رشک آ رہا تھا + جیسن نے پھر کہا۔ چلو + لائل اس کے پیچھے پیچھے ہو گیا + فنٹوری دیر میں وہ ایک انجیل اٹھا لائی۔ اور اس کا ایک صفحہ کھول کر حضرت مسیح کی تصویر دکھائی۔ اور کہنے لگی ”دیکھو یہ بچہ کیسا اچھا“ ہے۔ ان دونوں نے اس تصویر کو غور سے دیکھنے کے بعد بند کر دیا۔ اور جیسن بڑی تعظیم سے اٹھا کر اسے پھر وہیں رکھ آئی۔ اور بڑی شفقت سے اپنے چھوٹے دوست کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اور بولی

تمہارا نام کیا ہے ؟

”میرا نام لائٹل ہے۔ میری اماں مجھے کبھی کبھی لائٹلی بھی کہتی ہیں“

”لائٹلی اچھا نام ہے۔ میں بھی تم کو لائٹلی کہوں گی“

یہ دونوں بچے دیر تک باتیں کرتے رہے، جیسن کونینڈ آنے لگی، اور رفتہ رفتہ

لائٹل کی گود میں سر رکھ کر وہ بے خبر سو گئی، لائٹل اس سے صرف ۴۷ سال بڑا

تھا۔ مگر ایک توفیر نہایت سنجیدہ۔ متین اور سمجھدار لڑکا تھا۔ اس پر اس کی تعلیم

نہایت کوشش سے ہو رہی تھی، اس چھوٹی عمر میں ہی اس کو بہت سی تاریخ اور

فلسفے کی کتابیں پڑھا دی گئی تھیں۔ وہ جیسن کو بڑی بزرگانہ محبت سے اپنی گود میں

لئے ہوئے دیر تک بیٹھا رہا۔ اور اس عبادت گاہ کی ایک ایک چیز کو بغور دیکھنے

لگا، بہت سے ایسے خیالات جو اس عمر میں بچوں کے پاس نہیں پھٹکتے۔ اس کے

دل میں تھے، وہ اپنے خاص یعنی مسیحی مذہب کی نسبت بہت کچھ سوچ رہا تھا،

وہ کیسی غیر معمولی قابلیت کا شخص ہوگا۔ جس نے ۱۸۰۰ برس تک ہزار بادلوں میں

اپنا سکہ جہا رکھا۔ اس میں کیا بات تھی۔ کہ لوگ اسے اتنا ماننے لگے۔ ایسے ایسے

بتیرے خیالات اس کے دل میں تھے۔ ننھی جیسن تو اب بالکل غافل سو رہی تھی۔

اور لائٹل بھی سوچتے سوچتے اُونگ گیا تھا۔ کہ اس وقت دروازہ کھلا۔ اور ریون

ڈیل ایک اور شخص کو ساتھ لے ہوئے آیا، وہ شخص باجا بجانے لگا جس کی آواز سے

جیسن چونک پڑی۔ اور آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور باپ سے پٹ گئی،

”چلو بیٹی اب گھر چلیں۔ تمہارا چھوٹا دوست بھی جانا چاہتا ہوگا۔ اس کی اماں اس

کا انتظار کر رہی ہوں گی“

لڑکی جانے کو تیار ہو گئی۔ مگر لائٹل کو اس سے جدا ہونا اس قدر ناگوار ہوا کہ اس کی آنکھیں بھرائیں + اتنی بڑی دُنیا میں غریب لائٹل کو چاہئے والا کوئی بھی نہ تھا + اس کے ماں باپ دونوں موجود تھے۔۔۔۔۔ مگر اس کو کیا۔۔۔۔۔ ان کا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا +۔

جسین فوراً دوڑی ہوئی گئی۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ روڈ مت لائی۔ میں تم کو اپنے گھر لے جاؤں گی۔ اور ہم دونوں خوب کھیلیں گے۔ اباجان لائٹل کو بھی لے چلو + ریوین ڈیل اس وقت اس بچے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا۔ کہ اس کا جی کیوں بھرا آیا +

”تم ہمارے ساتھ چلو گے بیٹا + ہمارا مکان تو ایک چھوٹی سی جھونپڑی ہے۔ تمہارے قابل نہیں۔ مگر تمہارا آنے کو جی چاہے۔ تو میرے سر آنکھوں پر +“

”مجھے تو آپ کے گھر جانا بہت ہی اچھا لگے گا + میرا استاد تو آج صبح چلا گیا۔ اور دوسرے کو آنے والا ہے۔ آج دن بھر کچھ کرنے کو نہیں ہے۔ میں پڑھتے پڑھتے تھک گیا ہوں۔ اور آج چھٹی منانے کا ارادہ کیا ہے۔ مگر مجھے یہ بھی بتا دینا چاہئے۔ کہ میں اباجان کی اجازت بغیر ہاں آیا ہوں + یہ سن کر شاید آپ مجھے اپنے ساتھ لے جانا نہ چاہتے ہوں + اگر ایسا ہے۔ تو آپ مہربانی کر کے مجھے بناویں۔ میں شام تک یہاں اکیلا بیٹھا رہوں گا۔ یا جنگل کی طرف نکل جاؤں گا +“

”پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہو + تم ابھی بالکل بچتے ہو۔ اور کتابیں ابھی تمہارا انتظار بہت دن کر سکتی ہیں + نہیں تم اکیلے مت چرو۔ ہمارے ساتھ چلو۔ مگر آؤ جانے کے پہلے یہ گرجا تو دیکھ لو +“

ریون ڈیل آگے آگے چلا۔ اور یہ دونوں بچے پیچھے ہولٹے + ریون نے تمام چیزیں اس کی دکھائیں۔ اور بعض کی نسبت کچھ پرانی روایتیں سنائیں + بعض واقعات ایسے بیان کئے۔ جو تواریخ سے تعلق رکھتے تھے + اُن کو سن کر لائل کو خیال آیا۔ کہ یہ شخص جس کو وہ نیم وحشی سمجھا تھا۔ دراصل ایسا نہیں۔ بلکہ اس کی معلومات حاصی وسیع ہیں + دو چار گھڑی دن رہے یہ لوگ گھر پہنچے + جبین کی پھر بھی نے آکر نہایت لذیذ کھانا دسترخوان پر چرچن دیا۔ اور اس وقت شاید پہلی دفعہ لائل نے بھوک سے کھایا + پھر یہ دونوں کھیل میں مصروف ہو گئے۔ اور بہت دیر تک کھیلتے رہے + جب دونوں بالکل تھک گئے۔ تو ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے + بھولی بھالی بچی نے اپنا ننھا ہاتھ اپنے ننھے دوست کے گلے میں ڈال دیا۔ ”کیا مجھے چھوڑنا تمہیں بُرا لگے گا لائل؟“

”ہاں نہایت۔ بہت ہی سخت۔“

”مجھے بھی بہت بُرا لگے گا۔ جب تم چلے جاؤ گے۔ تو شاید میں رونے لگوں۔“

کیا تم بھی روؤ گے؟

نہیں۔۔۔۔ پیاری۔۔۔۔ جبین میں بُرا ہو گیا ہوں۔ اب کیا روؤں گا؟

تم بڑے۔۔۔۔ مجھ سے ننھوڑے ہی بڑے ہو۔ اور میں تو بالکل ہی چھوٹی ہوں۔“

مگر میں لڑکا ہوں ناں۔ تم لڑکی ہو۔

آج میں نے تمہیں رونے تو دیکھا تھا۔ تمہیں کیوں رونا آیا؟

”معلوم نہیں کیوں آیا۔ شاید میں اکیلا رہتا ہوں۔ اس سے آیا ہو۔“

جبین بڑے پیار سے اسے دیکھنے لگی + پھر بولی مجھے تمہارے مکان کا رات

معلوم ہے۔ کسی دن تمہارے پاس آؤں گی۔“

لائل یہ ارادہ سن کر چوکتا ہو گیا۔ کہ اگر اس کے والدین یہ بھنک بھی سن لیں۔ کہ یہ ایک غریب دہقان کی لڑکی کے ساتھ کھیلا تھا۔ تو آفت پیا ہو جاوے +

”نہیں... پیاری بیسین تم وہاں مت آنا۔ میرے آبا جان تم پر خفا ہوں گے +“

بیسین نے نہایت سادگی اور بھولے پن سے کہا ”تو تمہارے آبا بڑے خراب ہیں۔ میں کبھی شرارت نہیں کرتی۔ پھر وہ کیوں خفا ہوں گے؟“

”میں جب پڑھنے سے چھٹی پاؤں گا۔ تم سے کھیلنے آیا کروں گا +“

لائل جاتا تھا۔ کہ اس کے پاس پھر آنے کی جرأت کرنا نہایت دشوار کام ہوگا۔ مگر اس کے بزرگ اس سے پہلے اپنے اعلیٰ مقاصد حاصل کرنے کے لئے پہاڑ چیر چکے ہیں +

نیا استاد اپنیچا

کوئی ایک آدھ گھڑی دن رہا ہوگا۔ کہ لائل گھر پہنچا۔ اس کی والدہ دروازے پر کھڑی اس کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ لائل پاس آیا۔ تو انہوں نے اپنا نازک گورا ہاتھ جس پر بہت سی بیش قیمت ہیرے کی انگوٹھیاں چمکتی ہوئی نہایت بھلی لگ رہی تھیں۔ اس کی طرف بڑھایا۔ اور پیار سے کہنے لگیں +

”کیوں لائل تم آج تمام دن کہاں رہے؟ تمہارے آبا سخت ناراض ہیں۔ وہ آج تمام دن تم کو ڈھونڈتے رہے۔ بلکہ کئی آدمی تمہاری تلاش میں ادھر ادھر بھیج چکے ہیں + کسی نے ان سے کہا تھا۔ کہ تم مونٹروز کو پہنچانے سرائے کی طرف گئے تھے۔ اور اس کے بعد تم گنواروں کے بچوں سے آنکھ مچولی کھیلنے میں لگ گئے۔ کیا یہ سچ

ہے؟

”نہیں اماں۔ بالکل سچ تو نہیں ہے۔ میں مونٹروز کو پہنچانے تو ضرور گیا تھا۔ مگر آنکھ مچولی میں نے کسی سے نہیں کھیلی۔ میں ادھر ادھر ٹھلنے کو نکل گیا تھا۔ اور پھرتا پھرتا یہاں کے قبرستان کی طرف بھی چلا گیا۔ وہاں مجھے ایک آدمی ملا۔ وہ کسی کی قبر کھود رہا تھا۔ اس کا نام مسٹر ڈویل ہے۔ میں اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اس کی لڑکی اس کے لئے کھانا لے کر آئی۔ تو میں اس سے کھیلنے لگا۔ شام کے وقت اس نے مجھے اپنے ساتھ کھانے کو کہا۔ تو میں اس کے گھر چلا گیا۔ اور اس وقت میں وہاں سے ہی آ رہا ہوں“

مسٹر ویسکورٹ نے بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ اور تھوڑا سا مسکرا کر کہنے لگیں۔ ”میرے لعل تو واقعی تھک گیا ہوگا۔ تو نے آج ٹھپٹی منائی۔ اس میں کچھ ہرج نہیں ہے۔ اگر میں تیری جگہ ہوتی۔ تو شاید ایسا ہی کرتی۔ مگر تیرے آبا بڑے غصے میں ہیں۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ پروفیسر کے آتے ہی تو اُس سے ملتا“

”مگر.... اماں پروفیسر آج رات کے دس بجے آنے والے ہیں“

ہاں ہمارا خیال تھا۔ کہ وہ رات کو آئے گا۔ مگر وہ آج کل کچھ بیمار ہے۔ اس لئے اُس نے چلتے چلتے یہ فیصلہ کیا۔ کہ دن سے ہی پہنچنا ٹھیک ہے۔ کہ رات کی سردی نقصان کر جائے گی۔ وہ یہاں پہنچ گیا ہے۔ اور قریب دو گھنٹے سے تھامے آبا کے پاس دفتر میں بیٹھا ہے۔ شاید تمہاری پڑھائی کی نسبت گفتگو ہو رہی ہے۔“

تھوڑی دیر لائنل خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ”تم نے اسے دیکھا تھا۔ اس کی سوت

کیسی ہے؟

”ہاں وہ مجھ سے آتے ہی ملا تھا۔ کیا بتاؤں۔ اس کی صورت کس کی ایسی ہے۔
 شکل تو کچھ بن مانس سے ملتی ہے۔ اور جسم اونٹ سے.... وہ حقارت سے منہ
 مگر لائن کچھ مشوش سا ہو گیا ہمز ویلکورٹ نے بڑی شفقت سے اپنی ہانہ اس کے
 گلے میں ڈال دی۔ اور اسے اپنے گلے سے لگالیا۔ لائنل پیچارے کو اس قسم کے
 اظہار محبت کی بالکل عادت نہ تھی۔ جب کبھی برسوں میں ایک آدھ دفعہ اس کی
 ماں اسے پیار کرتی۔ یا محبت سے بولتی۔ تو اسے سخت تعجب آتا تھا۔ چنانچہ اس وقت
 بھی وہ اتنی حیرت میں تھا۔ کہ اس سے بات نہ ہو سکی +

”میرے بچے میرا اس سے یہ مطلب ہے۔ کہ وہ بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے دنیا
 کے سب عالم فاضل ہوا کرتے ہیں۔ غیر معمولی دانائی آدمی کبھی خوش شکل نہیں ہوتے۔
 مگر یہ شخص بڑا ہی سمجھ دار ہے۔ نہمارے آبا اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ اور انکلتا
 کے سب تعلیم یافتہ آدمی اس کی لیاقت کو مانتے ہیں۔ اور جتنے دن وہ یہاں رہے۔
 تم خوب محنت سے دل لگا کر پڑھنا“

”ہاں.... اماں غریب لائنل نے نہایت دھیسی اور افسردہ آواز میں کہا۔ پھر
 ایک آدھ لمحہ ٹھیر کر اس نے اپنی پیاری ماں کا نازک ہاتھ آہستہ سے اپنے گلے سے
 نکال کر بڑی محبت سے اسے چوما۔ اور ہلکے سے تھپوڑ دیا +

”اب میں آبا جان کے پاس چلا جاؤں۔ ان سے سب صاف کہ دوں گا۔ وہ
 خفا تو بہت ہوں گے۔ مگر کیا مجھے مار تھوڑا ہی ڈالیں گے۔ اور اگر مار بھی دیں۔ تو
 میرا کیا ہرج ہے؟“

اتنا کہ کر لائنل جلدی جلدی اپنے والد کے دفتر کی طرف قدم بڑھانے لگا +

مسٹر ویسکورٹ کھڑی ہو گئیں۔ اور شاید کہ خیال کو ٹالنے کے لئے گلاب کا ایک پھول توڑ کر اس کی پتیاں الگ کرنے لگیں۔ مگر ان کی آنکھیں بڑی محبت سے اس وقت تک اپنے نور دیدہ معصوم بچے کے دُبٹے پتلے جسم پر جمی رہیں۔ جب تک کہ وہ ان کی نظر سے بالکل چھپ نہ گیا، پھر کسی طرف کو مڑ گئیں۔ مگر ان کو نہیں معلوم تھا۔ کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔ کیونکہ ان کی آنکھیں محبت کے پاکیزہ آنسوؤں سے بالکل بھر گئی تھیں۔ اور راستہ دکھائی نہ دیتا تھا +

اتنے میں لائل اپنے والد کے دفتر تک پہنچ گیا۔ اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، مسٹر ویسکورٹ نے بڑی کزت آواز سے کہا۔ آخر آپ تشریف لے ہی آئے۔ آج دن بھر تم کہاں رہے۔ اور مجھ سے بغیر پوچھے تم کیوں گھر سے باہر گئے؟
”میں تھک گیا تھا۔ اور آرام لینا چاہتا تھا +“

”اے.... تھک گئے تھے۔ تم ایسی کیا محنت کرتے ہو۔ کہ تکان ہو گئی مسٹر مونٹروز کے ساتھ ہر وقت آرام ہی تو کرتے تھے۔ میں تمہاری تعلیم پر اس قدر روپیہ خرچ کر رہا ہوں۔ تمہارے لئے انگلستان بھر کا سب سے لائق آدمی میں نے پڑھانے کو بلا یا ہے۔ اور تم مجھے اس کا یہی عوض دیتے ہو؟“

لائل نے اس دوسرے شخص کی طرف جو اس کمرے میں بیٹھا تھا دیکھا۔ اور جو نقشے اس کی ماں نے اُسے بتائے تھے۔ انہیں یاد کر کے فوراً پہچان گیا۔ کہ یہی فٹوس کیڈ منگور ہوں گے، لائل نے ان کی طرف اشارہ کر کے اپنے باپ سے پوچھا۔ کیا آپ انگلستان کے سب سے لائق آدمی ہیں؟

”تم بڑے شوخ ہوتے جاؤ ہو۔ ایسی گستاخی کی تمہیں ہمت پڑ گئی +“

”میں نے صرف پوچھا۔ یہ تو نہیں کہا۔ کہ وہ عالم نہیں ہیں“

”مگر شاید مجھے پڑھانے میں انہیں بڑی تکلیف ہوگی“

مسٹر ویلیکورٹ پروفیسر کی طرف مڑے اور کہنے لگے۔ مجھے نہایت افسوس

ہے۔ کہ آج پہلے ہی دن آپ کے شاگرد نے ایسی بڑی حرکت کی، میرا لڑکا مونٹروز

کی صحبت میں بہت بگڑ گیا ہے۔ مگر مجھے امید ہے۔ کہ وہ ابھی ایسا نہیں بگڑا۔ کہ

آپ کے اختیار سے باہر ہو گیا ہو۔

پروفیسر لائل کی طرف دیکھ کر بولے ”نہیں... نہیں... مجھے امید نہیں

کہ یہ ایسا ہو۔ مگر میں اپنا خیال تم سے چھپانا نہیں چاہتا۔ یہ حرکت تمہاری بہت بُری

تھی“

مسٹر ویلیکورٹ نے پروفیسر کی طرف مخاطب ہو کر کہا ”میں بچوں کو کبھی مارتا

نہیں ہوں۔ بھوکا رکھنا یا بند کر دینا میری دانست میں بچوں کے لئے بہترین سزا

ہے۔ آج رات کو کھانا نہیں ملے گا۔ تو صبح تک آپ ہی ہوش آ جاوے گا۔

اور یہ اپنے سبق پھر اچھی طرح شروع کر سکے گا“ پھر لائل کی طرف دیکھ کر بولے۔

”اچھا اب تم میرے ساتھ چلو“

یہ اپنے والد کے ساتھ ہولیا۔ وہ اسے اس کے سونے کے کمرے میں لے

گئے۔ اس کی تمام کتھڑکیاں بند کر دیں۔ اور کہنے لگے ”اب صبح تک تم یہاں قید رہو۔

اپنے کتے پر ذرا شرمانا۔ اور سوچنا۔ کہ تم نے آج کتنی بُری حرکت کی۔ تمہارا استاد دل

میں کیا کہتا ہوگا“

یہ کہ کر وہ چلے گئے۔ اور باہر سے دروازہ میں قفل لگا دیا۔

لائسنل کے فکر

لائسنل کھڑکی کے پاس جا بیٹھا۔ اور اپنی دن بھر کی سرگزشت پر سوچنے لگا۔ وہ
 افسردہ نہیں تھا۔ بلکہ برعلاف اس کے بہت خوش تھا۔ کہ زندگی بھر میں ایک دفعہ تو
 ایسا دن نصیب ہوا۔ اور اس وقت بھی اس کو اس تاریک کمرے میں تنہا بیٹھنا اپنے
 نئے اور بھیانک اتانیق کے پاس ہونے سے بہتر تھا۔ اس کو اپنے استاد کا ایک
 ایک نقشہ باری باری یاد آ رہا تھا۔ اور وہ سوچتا تھا۔ کہ شاید دانائی نے اس کے چہرے
 کو ایسا بد نما بنا لیا ہے۔ پھر اس کو ریون ڈیل کی شکل و شبہت کا خیال آیا۔ اور اپنی
 چھوٹی سہیلی جیمین یاد آنے لگی، مگر کبھی کبھی پھر انہیں دقیق مسئلوں میں پڑ جانا تھا۔ او
 چاہتا تھا۔ کہ کچھ حل کر سکے۔ یعنی وہ سوچ رہا تھا۔ کہ کیوں بعض لوگ خدا کی ہستی کا یقین
 کرتے ہیں۔ اور بعض نہیں کرتے۔ کیا واقعی دنیا کا پیدا کرنے والا کوئی سمجھ دار ورنیک
 دل خدا ہے۔ یا ذرات نے اس کو پیدا کیا؟ ہماری اور ان تمام بے شمار جانوں کی ہستی
 سے کیا مطلب ہے؟

اس نے بہت دفعہ اپنے استادوں سے التجا کی تھی۔ کہ کوئی اس کو بہرہ دقیق
 متماحل کر دے۔ اور ان باتوں کا جواب دے۔ مگر کسی نے آج تک اس چھوٹے
 منطقی کے ان مشکل اور اہم سوالات کا جواب خاطر خواہ نہیں دیا تھا۔ اگر اس کو کوئی
 اچھی حرح یہ ذہن نشین کر دیتا۔ کہ ہم فانی نہیں ہیں۔ ہماری روح ہمیشہ ترقی کرتی
 رہتی ہے۔ اور دنیا صرف ایک منزل ہے۔ جس کو طے کرنے کے بعد اس کو اور بھی
 منزلیں طے کرنی ہیں۔ اور اس اعلیٰ رتبے تک پہنچنا ہے۔ جب یہ روح انسانیت

سے بالاتر ہو جائے گی۔ تو شاید اسے کچھ تسلی ہوتی، اس کو دعائے مانگنے کی سمت ممانعت تھی۔ اور اس کے اتالیقوں نے اسے بتایا تھا۔ کہ یہ ایک نہایت جاہلانہ فعل ہے۔ اور اگرچہ لوگ ابھی بکثرت دعائے مانگتے ہیں۔ مگر اس کی صرف یہ وجہ ہے۔ کہ ابھی عوام میں تعلیم عام نہیں ہوئی ہے۔ اور وہ اس طریقے کو جس کے وہ سیکڑوں برس سے پابند ہیں۔ چھوڑ نہیں سکتے، اس کو بتایا گیا تھا۔ کہ ہمارا پیدا کرنے والا ذرہ یہ طاقت نہیں رکھتا۔ کہ ہم سے ہمدردی کرے۔ یا ہمارے دکھ درد کو سمجھ سکے، انسان ان بے شمار چیزوں میں جو اس ذرہ کی حرارت سے پیدا ہوئی ہیں۔ ایک چوٹی سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا۔

لائل ایسی باتیں سن کر اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتا تھا۔ اور مہانتا گوتم بدھ کی طرح سوچتا تھا۔ کہ ایسی حقیر چیز کو اپنی ہستی پر اس قدر ناز کیوں ہو۔ اور کس دن کے لئے جینے کی تکلیف گوارا کرے۔

اب اندھیرا ہونا جانا تھا۔ اور ایک درخت کے پیچھے سے چاند کا خوب صورت چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اور بہت دور کسی درخت پر کوئی چڑیا نہایت دردناک آواز میں گیت گارہی تھی۔ لائل اس کو سننے لگا۔ اور تھوڑی دیر میں اپنی کرسی پر بیٹھا بیٹھا سو گیا۔ اور خواب دیکھنے لگا۔ جس میں کبھی تو فرانسیسی اور لاطینی کی گردانیں پرانی تواریخوں کے واقعات۔ یا جدید سائنس کی تحقیقات میں خیال میں آتیں۔ اور کبھی تھوٹی حبسین کھیلتی ہوئی نظر آتی۔ مگر یکایک کسی کی آواز لائل لائل کہتی ہوئی اس کے کان میں پڑی۔ اور یہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا، کھڑکی سے باہر نگاہ ڈالی۔ تو مشر چارس کو ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھا ہوا دیکھا۔ وہ اس کی طرف کچھ اشارہ کر رہے تھے۔ یہ سمجھا نہیں۔ مگر منہ

کال کر باہر دیکھنے لگا، مشر چارلس نے ایک پُریا میں کچھ چیزیں اس کو دیں۔ اور کہنے لگے: ”یہ لو تمہاری اماں نے بھیجا ہے۔ وہ کتنی ہیں۔ کہ تم ان کی خاطر سے سب ذرا ذرا کھانا، یہ کہ کروہ پھر واپس جانے لگے +

لائل نے جلدی میں کہا۔ مہربانی کر کے... مشر چارلس.... میرا پیارا ماں کو کہنا۔ اور میری طرف سے شکر یہ ادا کرنا +

لائل تھوڑی دیر کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا مشر چارلس کی پھرتی پر غور کرتا رہا۔ کہ وہ کیسی جلدی نہایت آہستہ سے نیچے اتر گئے + لائل کو اپنی اماں جان کے یہ رفیق پسند نہ آتے تھے، وہ اس وقت سوچنے لگا۔ کہ اس کی کیا وجہ ہوگی۔ مگر معلوم نہ کر سکا۔ پھر فریش پر بیٹھ کر اپنی ماں کا بھیجا ہوا کھانا کھانے لگا۔ ایک دن بھر کی ورزش نے اس پر یہ اثر کیا تھا۔ کہ اس نے اپنا کھانا غیر معمولی شوق اور بڑی بھوک سے کھایا + اس کو یہ مختصر سی ساری چیزیں بہت ہی لذیذ معلوم ہوئیں۔ اور اس نے سب ذرا ذرا کھالیا۔ مگر غالباً دو تین دن گزر جانے پر اس کا پھر وہی حال ہو جائیگا۔ کھانے کی چیز دیکھ کر طبیعت متنفر ہوگی۔ معمولی چہل قدمی سے یہ ننھا بچہ تھک جائیگا۔ اور کودنے پھانڈنے کا تو ذکر ہی کیا۔ کھانا کھا کر اس نے کپڑے بدلے۔ اور پلنگ پر جا لیٹا۔ تھوڑی ہی سی دیر میں بالکل غافل سو گیا۔ چاند اب اوپر چڑھ آیا تھا۔ اور اس کی کرنیں اس کے زرد چہرے اور منتشر سنہری بالوں پر پڑ رہی تھیں + بیٹھی نیند سوتے ہوئے شاید کوئی پسندیدہ خیال اسے گدگدی کر رہے تھے۔ کیونکہ اس کے پیانے چہرے پر وہی پاکیزہ تبسم تھا۔ جاکثر سوتے ہوئے معصوم بچوں کے چہرے پر دیکھا جاتا ہے +

نئے استاد کا پہلا درس

دوسرے دن پروفیسر کیڈمنگور لائسل کے پڑھنے کے کمرے میں بیٹھے ہوئے اپنے شاگرد کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی طبیعت اس وقت کچھ برہم ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس کمرے کی چھت میں جا بجا بڑے بڑے کٹے لگے ہوئے تھے جن میں کسی زمانے میں گوشت وغیرہ لٹکایا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض اس قدر نیچے تھے۔ کہ ایک ان کے سر میں چھب گیا۔ اور ان کو تھوڑی سی چوٹ لگی، دوسری وجہ یہ تھی۔ کہ آج صبح ان کی آنکھ مرغ کی اذان سے بہت بے وقت کھل گئی تھی۔ اور نیند بھر سونے پائے تھے۔

خفیف تکلیفیں اکثر ان کا مزاج بگاڑ دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس وقت بھی تیوری پر بل چڑھائے بیٹھے تھے۔ اور لائسل کا نصاب تعلیم جو نہایت خوش خط لکھا ہوا ان کے سامنے رکھا تھا۔ غور سے دیکھ رہے تھے۔ اور اس میں اتنے محو ہو گئے تھے۔ کہ تھوڑی دیر بعد جب دروازہ آہستہ سے کھول کر لائسل اندر داخل ہوا۔ تو انہیں خبر نہ ہوئی، یہ تھوڑی دیر تک ان کا چہرہ بغور دیکھتا رہا۔ پھر بڑے ادب سے سلام کیا۔

”اچھا... تم آگئے ہو۔ امید ہے رات بھر میں تمہارا غصہ اتر گیا ہوگا؟“

”جی نہیں مجھے غصہ چڑھا ہی نہ تھا۔ تو اتر گیا؟“

”تم نے اچھی طرح آرام کر لیا یا نہیں؟“

”نہیں میں سمجھتا ہوں ابھی اچھی طرح نہیں کیا۔“

”تم اگر ایسے کوئی جا لور ہوتے۔ جو چھ مہینے برابر سوتا ہے تو بہتر تھا۔“

”جی ہاں اگر ایسا ہوتا۔ تو میں بڑی تکلیفوں سے بچ جاتا۔ کیا آپ کو کبھی مکان

تہیں معلوم ہوتی؟

”جب تمہارے سے سرکش بچوں کو چڑھانا ہوں۔ تو اکثر تھک جاتا ہوں۔ سورنہ نہیں۔ اچھا میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ اور میرے سوالات کا جواب دو + یہ تمہارا کورس جو میرے سامنے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم کچھ استعداد فراموشی اور لاطینی میں حاصل کر چکے ہو۔“

پروفیسر کیڈنگور نے بہت سے سوال کئے۔ اور لائل کی غیر معمولی قابلیت اور نیز شی طبع کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ اقلیدس اور جبر و مقابلہ کے نہایت دقیق سوالات اس نے آناٹاٹا حل کر دئے۔ قریب دو گھنٹے تک یہ اس کا امتحان لینے میں مصروف رہے۔ جتنی زیادہ لیاقت اور تیزی سے لائل ان کے سوالات کا جواب دیتا۔ اتنا ہی ان کا شوق اس کی ترقی تعلیم میں بڑھتا جاتا۔ اور ایسے ہونہار لڑکے کو خوب محنت سے پڑھانے کا عزم کرتے۔ لوگوں کا خیال ہے۔ کہ بچہ جس قدر ذہین ہو۔ اتنا ہی زیادہ اسے محنت کروائی جائے۔ تو سونے پر سہاگے کا کام دے۔ بیچارے ذہین لڑکوں کی اکثر اس طرح شامت آتی ہے۔ جتنی زیادہ جلدی اور تیزی سے وہ علوم و فنون کے باہر ہوتے جاتے ہیں۔ اتنی ہی ان کے استاد اور بے رحمی سے انہیں گھوسکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بیچارہ بچہ بہت جلدی زد و لاغرا اور کم زور ہو جاتا ہے۔ اور بہت دفعہ زندگی کی کل منزلیں طے کرنے سے پہلے ہی بہت بُری طرح اپنے مہربانوں کو مایوس کر جاتا ہے۔ ان بیچارے ذہین مگر بد قسمت بچوں سے وہ لڑکے بہت بہتر ہیں۔ جو اپنے مدرسوں میں ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھے جاتے۔ اور مدرسوں سے ڈانٹ کھاتے رہتے ہیں۔ جن کو قدرت پھسلا کر اپنی کتابیں چھوڑنے اور کھیل کود میں مصروف ہو

جلنے پر آمادہ کر دیتی ہے + وہی لڑکے کچھ وقت گزرنے پر ان ہونہار نونہالوں پر سبقت لے جائیں گے۔ جو زمانہ طالب علمی میں اپنی تیزی اور ہشیاری سے لوگوں کو حیران کر رہے ہیں + ان کے قوی ہیکل جسم اور زور آور بازو دنیا میں بہت سے کام کریں گے۔ وہ میدان جنگ میں بڑے بڑے سرکش بہادروں کا مقابلہ کرنے سے نہیں ڈریں گے۔ اور بالآخر یہ نیچے جو بڑے بڑے جنگی درختوں کی طرح بغیر کسی خاص کوشش کے بڑے ہو جاویں گے۔ شاید باغ قومی کے لئے ان نازک پودوں سے زیادہ مفید ہوں گے۔ جن کی دماغی نشوونما کے لئے زمانہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ فاضلوں نے محنت کی، پروفیسر کیڈ منگور بھی اس عام اصول کے مطابق بچوں کو بڑی محنت سے پڑھانے پر متفق تھے۔ وہ اپنے وقت کے بے نظیر اور بے مثل معلم سمجھے جاتے تھے، لائسن کی غیر متوقع تیزی اور غیر معمولی استعداد کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مگر اس کا اظہار اس پر نہیں کیا۔ صرف افتخار پر اتنا کہا۔ کہ ”تم کو اس سے زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔ جتنی تم پچھلے دنوں کو تنے رہے۔ میں کبھی تمہارے ایسے کم سن بچوں کو نہیں پڑھاتا ہوں۔ مگر تم نے چھوٹی عمر میں بھی بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ اور تمہارے والد کو تمہاری تعلیم کی از حد فکر رہتی ہے۔ اس لئے میں نے یہاں آنا منظور کر لیا + اب ان دو تین مہینوں میں جو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم بڑی محنت سے پڑھنا اور خوب ترقی کرنا“

اتنا کہہ کر وہ اس کے لئے دن بھر کا کام قلم بند کرنے لگے +
 ”بب آپ یہ لکھ چکیں۔ تو کیا میں آپ سے وہ بات پوچھ سکتا ہوں۔ جس کی
 مجھے بڑی فکر رہتی ہے“

”ہاں.... کیوں نہیں.... کیا کوئی ضروری بات ہے؟“

”جی ہاں میرے خیال میں تو ضروری ہی ہے“

پروفیسر نے غمگین دیر میں کام ختم کر کے قلم میز پر رکھ دیا۔ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ اور کہا ”اچھا کہو تم کیا کہتے ہو؟“

لائٹل پاس آگیا۔ اور بولا۔ آپ بڑے دانا آدمی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ انگلستان بھر میں کوئی اور آپ کا ثانی نہیں۔ مجھے امید ہے۔ کہ آپ ضرور میرے اس سوال کا جواب دیں گے، میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ذرہ کہاں ہے؟“ پروفیسر کیڈ منگور کو یہ سوال سن کر سخت حیرت ہوئی، انہوں نے کچھ بگڑ کر کہا۔ کیا واہیات سوال کرتے ہو۔ ذرہ کہاں ہے۔ اس کے معنی ہی کیا؟“

”واہیات نہیں ہے۔ وہی ذرہ تو ہم سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ دیکھئے مجھے آپ کو اور دنیا کے بے شمار آدمیوں کو اسی نے بنایا ہے۔ وہ کیسا عجیب چھوٹا سا ذرہ ہوگا۔ جس نے بغیر عقل و تمیز بغیر ہوش و حواس کے ایسی اچھی اچھی چیزیں بنائیں۔ اور آپ مہربانی کر کے مجھے یہ بھی بتائیں۔ کہ وہ آیا کہاں سے تھا؟“

پروفیسر کیڈ منگور کچھ نیروی چڑھا کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ مگر خاموش رہے۔

کچھ جواب نہ دیا۔

”میں نے آپ سے اس لئے پوچھا۔ کہ آپ بڑے ہی دانا ہیں۔ اگر آپ اتنے عقل مند نہ ہوتے۔ تو میں یہ سوال نہ کرتا، میں عرصے سے انتظار کر رہا تھا۔ کہ کوئی بڑا سمجھ دار آدمی ہو۔ تو اس سے پوچھوں، اب آپ آئے ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ آپ اس معاملے کو میرے لئے صاف کر دیں گے۔ کیونکہ مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوگی۔ کہ وہ ذرہ عظیم کہاں ہے۔ اور کیا کیا کرتا ہے“

”نم وہ بات معلوم کیا چاہتے ہو۔ جو آج تک کسی نے معلوم نہیں کی۔ دنیا اور اس کی ہر چیز کی پیدا کرنے والی کوئی طاقت ہے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے۔ مگر وہ کہاں سے آئی۔ اور اس وقت کہاں ہے۔ یہ ایک ایسا پوشیدہ راز ہے۔ جو آج تک کسی پر عیاں نہیں ہوا۔ غالباً وہ ذرہ اس وقت اپنی ہی پیدا کردہ اشیاء میں ملا ہوا ہے، ہم صرف اتنا جانتے ہیں۔ کہ وہ ہر لحظہ مصروف رہتا ہے۔ اور اس کی پیدا کردہ چیزیں ہیں۔ جو ہمیں دنیا میں روزمرہ نظر آتی ہیں“۔

لائسنل یہ جواب سن کر بالکل مایوس ہو گیا، آپ نے کہا۔ کہ ہر چیز کی پیدا کرنے والی کوئی طاقت ہے۔ کیا آپ پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ طاقت ہی ذرہ ہے؟

”ان معاملوں میں کوئی بات یقیناً نہیں کہی جاسکتی۔ جو کچھ سائنس کی جدید تحقیقاتوں سے دریافت ہوا ہے۔ اس کے مطابق ہم صرف قیاس کرتے ہیں“۔
 ”تو آپ اس طرح قیاس کی بنا پر کہتے ہیں۔ کہ دنیا کا پیدا کرنے والا ذرہ ہے۔ جس طرح اور لوگ کہتے ہیں۔ کہ دنیا کا بنانے والا خدا ہے، مگر میں سمجھتا ہوں۔ کہ ہمیں پیدا کرنے والا کوئی بڑا عاقل شخص ہے۔ جو سوچتا اور سمجھتا ہے۔ یہ تو ممکن نہیں۔ کہ ذرہ میں ایسی طاقت ہو۔ کہ وہ ایسی عجیب و غریب چیزیں پیدا کر سکے۔ اگر ذرہ ہمارا پیدا کرنے والا ہوتا۔ تو وہی ہمارا حاکم بن جاتا“۔

پروفیسر کیٹمنگور یہ سن کر اپنی جوشن دلیل میں گرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
 ”کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ واقعی ایسا نہیں ہے، ذرے روزمرہ ہمارے اوپر حکومت کرتے ہیں۔ بیماریوں اور وباؤں کے چھوٹے چھوٹے ذرے ہزار ہا آدمیوں کا خون

کہتے ہیں۔ انہیں سے بھونچال آتے ہیں۔ ہزاروں قسم کی تبدیلیاں ہر روز ان کی حرکت سے سطح زمین پر دیکھنے میں آتی ہیں + ہم واقعی قطعاً ذرہ کے ہی تابع ہیں۔ میں ہزاروں مثالیں ان کی طاقت کی دے سکتا ہوں + تم ابھی اس قدر چھوٹے بچے ہو کہ سائنس کی یہ باریکیاں سمجھ نہیں سکتے + مجھے تم سے ایسے دقیق مسلوں پر بحث کرنے ہنسی آتی ہے۔

”ہنسی کی اس میں کیا بات ہے؟ میں تو ہر وقت اس بات پر سوچا کرتا ہوں۔
مجھے یقین تھا۔ کہ آپ میری یہ دقت صاف کر دیں گے۔“

پروفیسر کیڈ منگور بات کاٹ کر بولے +

”تم نے اس مضمون پر بہت دیر گفتگو کی۔ اگر تم ایسے سوالات مجھ سے سال بھر لگاتار کرتے جاؤ۔ تو میں جواب نہ دے سکوں۔ ہم لوگ صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔
جتنا سائنس کے ذریعے دریافت ہو سکتا ہے۔ زیادہ نہیں + میں نے تمہارے سبق پر نشان کر دیا ہے۔ اس کو بیٹھ کر یاد کرو۔ اور مجھ سے ایسے فضول سوالات مت کیا کرو۔
تمہارا تعلق اس دنیا سے ہے۔ اس کے بعد کیا ہوگا۔ یہ سوچنے کی ضرورت نہیں +“
یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئے + لائل اب کمرے میں اکیلا تھا۔ کچھ گرمی معلوم ہوئی۔

تو کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سورج کی کرنیں ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں۔ پاس کی پھلواری میں جو پھوڑے سے پھول تھے وہ بھی مرجھائے ہوئے۔ صرف سورج کبھی ایک ایسا پھول تھا۔ جس پر کرنوں کا اثر نہ ہوا تھا + وہ نہایت غرور و ناز سے گردن اٹھائے ہوئے آفتاب عالم تاب کا نورانی چہرہ بغور دیکھ رہا تھا + ایک سایہ دار تخت کے نیچے لائل کو اپنے والد ماجد اور پروفیسر کیڈ منگور نظر آئے۔ یہ پھوڑی دیر تک ان کی طرف دیکھا کیا۔ پھر کتاہیں لے کر اپنے اسی پرانے ڈسک کے پاس بیٹھ کر ٹپھنے لگا۔

چھٹی کا دن اور دوستوں سے ملاقات

موسم گرما کے لیے لیے دن اب بیچارے لائل سے کاٹے نہ کٹتے تھے۔ پڑھنے سے دم بھر چھٹی نہ پاتا۔ صرف کبھی کبھی پروفیسر کیڈنگور کے ساتھ ہوا خوری کو جانے کی تو اسے مزور اجازت تھی۔ مگر اس میں بھی اس غریب کو تفریح کہاں؟ وہ ہمیشہ ایک ہی مقررہ سڑک پر گھنٹہ آدھ گھنٹہ ٹہل کر چلے آتے تھے۔ کشتی کھینا۔ یا آؤر کسی قسم کی تفریح طبع کا تو ذکر ہی کیا؟ ساحل پر بھی بہت کم جاتے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ کم سخن تھے۔ راستہ بھر ایک بھی بات نہ کرتے۔ بیچارے لائل کو بھی ہمت نہ ہوتی کہ اظہار خیالات کرے + ایک آدھ دفعہ جو اس نے وہی اپنا پرانا مسئلہ چھیڑا۔ تو بوڑھے منطقی کو ایک بات سوچنے کی مل گئی۔ اور اسے مختصر جوابات سے خاموش کر کے آپ ایسے محو ہوئے۔ کہ تمام راستے اسی ستمے پر غور کرتے رہے۔ چنانچہ اب لائل نے بھی اپنے تئیں خاموش رہنے کی خود ڈال لی۔ اور کسی ایسے مسئلہ پر گفتگو کرنا قطعاً چھوڑ دیا، بعض اوقات اس کو ہجوم خیالات ایسا تنگ کرتے۔ کہ نیند نہ آتی۔ اور سر چکرانے لگتا۔ سبق اچھی طرح یاد نہ رہتا۔ اور وہ تیزی طبع اور ذکاوت جس سے پروفیسر صاحب آتے ہی حیران ہو گئے تھے۔ اب رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی تھی + حق یہ ہے۔ کہ اس بیچارے کم سن بچے کو اپنی تعلیم کا بوجھ اس قدر زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ اٹھائے نہ اٹھتا + کبھی اس کا سر اس قدر تھک جاتا۔ کہ باوجود کوشش کے بھی کتابوں کی طرف راغب نہ ہوتا۔ مگر ایسے موقعوں پر وہ آؤر زیادہ ہمت اور حوصلے سے کام لیتا۔ اور زبردستی پڑھنے لگتا تھا۔ وہ خود تو کبھی کسی سے کوئی شکایت

نہ کرتا تھا۔ لیکن اگر کوئی ہمدرد غور سے دیکھتا۔ تو معلوم کرتا۔ کہ اس کے زرد اور نکلین چہرے پر تکان کے کیسے گہرے آثار تھے ۔

ایک دفعہ بڑی سہانی صبح تھی۔ کہ لائٹل کو اپنی سخت محنت سے دم بھر کی فرصت ہوئی۔ اور دم بھر کچھ یوں ہی سی خوشی منیتر آئی۔ اس کے والد ماجد اور پروفیسر کیڈمنگور نے اتفاقاً لنٹن جانے کا قصد کیا۔ کہ پروفیسر صاحب نے اس جگہ کی بڑی تعریف سنی تھی۔ جتنی کہ بعض اشخاص نے ذکر کیا تھا۔ کہ اگر اس مقام کو انگلستان کا سوئٹزر لینڈ کہیں تو بے جا نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس سیرگاہ کو بخیم خود دیکھنے کا ارادہ کیا۔ اور مسٹر ویسکورٹ بہ حیثیت ان کے دوست اور مشفق کے ساتھ ہوئے۔ جاتے وقت مسٹر ویسکورٹ ایک لمحہ بھر کو لائٹل کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ ”آج دن بھر نہیں اکیلا رہنا ہے۔ دیکھوں تم کہاں تک حکم مانتے ہو۔ مجھ سے وعدہ کرو۔ کہ احاطے سے باہر نہ جاؤ گے۔ یہ باغ خاصہ بڑا ہے۔ اور تم اس میں اچھی طرح ورزش کر سکتے ہو۔ تم نے سنا؟“

”جی سنا“ لائٹل نے جواب دیا ۔

”قبرستانوں میں مارے مارے پھرنے کی اور نئے معزز دوستوں سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ اچھا منہ سے وعدہ کرو“

”میں وعدہ کرتا ہوں“

یہ اچھی طرح اپنے فریض کو سمجھتا ہے۔ میرے خیال میں تو اس میں سب سے بڑی خوبی یہی ہے۔ ”پروفیسر نے بات کاٹ کر کہا۔ لائٹل خاموش کھڑا تھا۔ اگر وہ اس وقت اپنے جذبات کا اظہار کرتا۔ تو یہ لوگ حقارت سے سنتے۔ اور توجہ نہ

کرتے، عمر سیدہ آدمی ہمیشہ چھوٹے بچوں کے رنج و غم اور مصائب و تکالیف کو محض خیالی اور فضول خیال کرتے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ اس کے ننھے دل جو پھولیوں سے نازک تر ہوتے ہیں۔ ان تکالیف کو بالکل سہا نہیں سکتے۔ ان کے پاکیزہ دلوں پر جو غم کے گرد و غبار سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ اس کا پہلا اثر بہت ہی گہرا پڑتا ہے +

مسٹر ویلیکورت اور پروفیسر کیڈمنگور جب نظر سے بالکل غائب ہو گئے۔ تو لڑکے کا دل کچھ بٹاش ہوا۔ اور اسے ایسا معلوم ہوا۔ کہ کوئی بڑا بھاری بوجھ اس کے دل سے اُٹھ گیا، اس نے کھڑکی کھولی۔ اور باہر کے خوش نما منظر کو دیکھنے لگا۔ اس کو رنج نکھا۔ کہ اس کی اماں جان آج گھر میں نہ تھیں۔ اگر یہ وہاں ہوتیں۔ تو یہ جلدی سے بیچھے جا کر انہیں لیٹ جاتا۔ اور اپنی پیاری امی جان کے پیارے خوب صورت چہرے کو اس پیارے چہرے کو۔ جس سے اس چھٹی کے دن محبت مادری کے ایسے پاکیزہ بڑے گہرے مگر غیر متوقع آثار نمایاں تھے۔ چوم لیتا۔ شاید وہ جلدی آ جا دیں۔ لائنل دل میں کہنے لگا۔ اگر ان کے دو سنوں نے نہ روکا۔ تو ممکن ہے شام کے پہلے وہ یہاں پہنچ جاویں۔ اور میں رات سونے سے پیشتر ان سے باتیں کر سکوں + لائنل کو اس خیال سے کچھ یوں ہی سی تشفی اور خوشی ہوئی۔ کہ اور کوئی نہیں۔ تو اس کی اماں جان تو اسے پیار کرتی ہیں۔ وہ اس پر بھی بار بار غور کرتا تھا + یہ یقین کرنا کہ ان کو واقعی اس کا پیار تھا۔ لائنل کے لئے مشکل امر تھا۔ کیونکہ ان کی کسی بات سے۔ کسی حرکت سے۔ کبھی بھول کر بھی اس کی تصدیق نہ ہوتی تھی + وہ کبھی اس کو اپنے پاس نہ بلاتیں۔ نہ پیار کرتیں۔ نہ اس کی بات میں دخل دیتی

تھیں + مگر تاہم لائنل کو وہ مہربانی آمیز الفاظ اور فرط محبت سے چمکتا ہوا چہرہ جب اس چھٹی کے روز پندرہ دن ہوئے وہ اسے لینے پھاٹک پر کھڑی تھیں۔ ہرگز نہ بھولتا تھا۔

لائنل ایک آہ سرد بھر کر سوچنے لگا: "آہ پندرہ دن ہوئے۔ اور مجھے دم بھر چھٹی نہ ہوئی۔ خیر آج ہی سہی، یہ سوچ کر وہ باہر کے دلفریب منظر کو دیکھنے لگا۔ انگلستان میں موسم گرما ایسا ہی خوش گوار ہوتا ہے۔ جیسا یہاں موسم بہار۔ کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے اسے دُور دُور کی چیزیں نظر آ رہی تھیں + سبزہ پوش ٹیلے گھنے جنگلات میدان وغیرہ سب چیز نہایت ہی خوش نما معلوم ہوتی تھی۔ سورج کی کرنیں ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں۔ قدرت کاملہ کی ہر چیز ایک خاصی نفاست اور دلفریبی سے جی لبھائے لیتی تھی + اس نے فوراً ارادہ کیا۔ کہ آج باغ میں جا کر پڑھوں گا۔ اور کتابوں کے ڈھیر میں سے دو جلدیں نکال کر نیچے اتر گیا۔ اور ایک روش پر تھلنے لگا + پاس ہی گلاب کے بہت سے سرخ سفید اور گلابی پھول کھلے ہوئے تھے۔ اور ان کی بھینی بھینی خوشبو اس کا دل و دماغ تازہ کر رہی تھی + ٹھوڑی دیر میں اپنی دونوں کتابیں کسی جگہ پر رکھ کر انہیں بالکل بھول گیا۔ اور خود آ کر ایک ہری گھاس کے تختے پر لیٹ گیا، دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیں۔ اور نیلگوں آسمان کی طرف ٹٹکی لگا کر دیکھنے لگا، کہیں پر ایک چھوٹا سا بادل کا ٹکڑا اڑتا ہوا نظر آیا۔ اور اس کے پاس ہی کوئی چڑیا۔ اور اس کی عین آنکھوں کے سامنے ایک بلبل نہایت میٹھی آواز میں کوئی راگ گارہی تھی + گھنے سایہ دار درخت پھول پتیاں وغیرہ بالکل بے حس و حرکت تھیں + اس پاس کا منظر بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا کسی مصور

کے کاریگر ہاتھ نے تصویر میں دکھایا ہو، اس دلفریب نظارہ میں لائٹل بالکل محفوظا۔ کہ ایک چڑیا اس سے کچھ فاصلے پر چھپاتی ہوئی آئی۔ اور ڈری ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ لائٹل کو خیال آیا۔ کہ اگر اس ننھی چڑیا کے بدلے اس کے والد آجاتے۔ تو سارے نظارے کا لطف بگڑ جاتا، اس خیال کا آنا تھا۔ کہ وہ پھر سوچنے لگا۔ میرے آبا مجھے پیار کیوں نہیں کرتے۔ اماں بھی مجھے چاہتی ہیں یا نہیں۔ اس فکر میں تھا۔ کہ یکا یک چونک پڑا۔ کوئی آواز اس کو لائلی۔ لائلی کہتی ہوئی کان میں پڑی + ادھر ادھر دیکھا۔ مگر کسی کا پتہ نہ پایا، پھر سنا۔ کہ کسی نے ”لائلی“ کہ کر بہت زور سے پکارا، اب کی دفعہ یہ آواز اس جانب سے آتی سنا دی۔ جدھر گلاب کے پودوں اور دوسرے بہت سے خود رو پھولوں نے دیوار کی طرف پاڑ باندھی ہوئی تھی، لائٹل اس طرف لپکا۔ اور گلاب کے پھولوں میں سے ایک ننھا نازک پھول سا گلابی چہرہ تاکتا ہوا نظر آیا، اوہ لائلی۔ میں نے تجھے ڈھونڈ لیا۔ یہ کہتے ہوئے وہ چہرہ اُور بھی اُگے نکل آیا، اوہ لائلی، لائلی اس چھوٹی سیلی کو دیکھ کر جس سے ملنے کا اسے کبھی خواب و خیال بھی نہ تھا۔ بہت ہی خوش ہوا، کیوں پیاری... جھسین۔ تم کیسے آگئیں؟ ہمیں راستہ کس نے بتا دیا، ننھی مس ڈٹیل نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ٹخنوڑی دیر غور کر کے بولیں۔ کیا میں اس سوراخ میں سے نکل نہیں سکتی۔ میں تمہاری اماں سے ملوں گی؟

لائٹل کو فوراً خیال آیا۔ کہ ایسا نہ ہو کوئی دیکھ لے۔ ممکن ہے۔ میرے آبا نوکروں کو کہ گئے ہوں۔ کہ میرے اوپر نگاہ رکھیں۔ چنانچہ بجائے اس کے۔ کہ وہ اسے اپنے پاس بلا لیتا۔ وہ باڑ کے بالکل پاس چلا گیا۔ اور ہلکے ہلکے باتیں کرنے لگا، میری اماں

آج یہاں نہیں ہیں۔ میرے استاد اور آبا بھی دن بھر کو چلے گئے ہیں۔ میں بالکل اکیلا ہوں۔ میں نے آبا سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اس احاطے سے باہر نہ نکلوں گا۔ نہیں تو میں ضرور تمہارے پاس آتا + مسٹر ڈبیل نوا چھے ہیں؟

ہاں میرے آبا چھے ہیں۔ وہ آج کل ایک اور ننھی مٹی سے قبر کھود رہے ہیں۔ کسی چھوٹے سے بچے کی ہے۔ اور تم کیسے ہو۔۔۔۔۔ لائلہ... تمہارا منہ کتنا سفید ہے۔ بالکل ایسا لگتا ہے۔ جیسی میری اتنی لگتی تھیں۔ جب انہیں فرشتے لے گئے، لائلہ، مسکرایا، شاید زیادہ پڑھنے سے میں زرد معلوم ہونا ہوں۔ تم تو کبھی کچھ نہیں پڑھتیں؟

”میں پڑھنا نہیں جانتی۔ مگر ایک کہانی کی کتاب میرے پاس ہے۔ میری بوا مجھے اس کی کہانیاں سناتی ہیں، لائلہ شوق سے اس کی بھولی بھولی باتیں سنتا رہا۔ پھر ہلکے سے جھک کر اس کے بالوں کی ایک لٹ پھولوں سے باندھ دی۔ اب تم جانیں سکتیں۔ تم میری چھوٹی قید بن گئیں۔ میں نے تمہیں باندھ دیا؟

جیسمن بڑے شوق سے اپنے کندھے کے پیچھے دیکھنے لگی۔ اور خوب ہنسی۔ پھر ننھی نازک چڑیا کی طرح بڑے آرام سے پتوں میں بیٹھ گئی +

”میں نے تمہیں کہا تھا۔ کہ یہاں ایک سوراخ ہے۔ جس میں سے میں نکل جاتی ہوں۔ دیکھو یہی وہ چھید ہے۔ میں یہاں آکر پھول توڑ لے جاتی ہوں۔ یہاں تو گلاب کے پھول بہت ہیں، یہ سن کر لائلہ جلدی سے اٹھا۔ اور پاس کے درختوں سے بہت سے عمدہ عمدہ پھول توڑ لیا۔ جیب سے ایک تاگانکال کران کا گلدستہ بنایا۔ اور ہلکے سے اس کے ہاتھوں میں دھر دیا + جیسمن نے اپنی چھوٹی سی ناک پھولوں کے اندر گھسا دی، کیسے عمدہ پھول ہیں! تم بڑے اچھے لڑکے ہو لائلہ... بڑے کھٹی

آئی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے پھولوں کو چھپا لیا۔ اور وہ شہد کی مکھی بار بار اس کے ارد گرد گھومنے لگی۔ شاید اس ننھی بچی کو وہ کوئی حقیقی پھول سمجھی، لائنل ایک پتہ زمین سے اٹھا کر بڑی مستعدی سے اسے ہٹانے لگا، پھر تھوڑی دیر میں شاید جب اس مکھی معلوم ہوا۔ کہ یہ خوب صورت معصوم بچے پھول نہیں۔ بلکہ انسان ہیں۔ تو آہستہ سے دوسرے پھولوں پر چلی گئی، جس میں تیوری چڑھا کر اسے دیکھنے لگی، اتنے پھول اُور ہیں۔ وہ اس کے لئے کافی نہیں ہوتے۔ کہ میرے پھولوں پر آتی ہے۔ بڑی خراب مکھی ہے! لائنل بھی بڑی زور سے تائید کی۔ پھر پاس کو آ کر کہا۔ تم کس طرح آئیں۔ جس میں کیا تم اس کھیت سے اکیلی گزرائیں؟

جس میں نے بڑے ناز سے جواب دیا۔ ہاں اکیلی آئی۔ کبھی کبھی اس کھیت میں گائے بھینس چرا کرتی ہیں۔ تو میں ڈر جاتی ہوں۔ مگر آج نہیں تھیں۔ تو میں راستے بھر تم سے ملنے کو بھاگی ہوئی آئی، تم مجھ سے کھیلنے کب آو گے؟ لائنل کی خوشی یہ سن کر کچھ مدغم پڑ گئی۔ اس نے دھیمی اور افسردہ آواز میں کہا۔ معلوم نہیں کب۔ مجھے پڑھنے سے چھٹی نہیں ہوتی۔ دوسرے میں پروفیسر بغیر کہیں جا نہیں سکتا۔ جس میں حیرت سے بولی، ”فیسر؟“ وہ کون ہے؟

”میرا استاد۔ جو مجھے پڑھانا ہے۔“

”تو کیا وہ بھی ساتھ نہیں آسکتا؟“

”شاید وہ تو آنا نہ چاہیں۔“

”ہاں وہ بڑا بُرا ہے۔ وہ مجھ سے لٹا نہیں چاہتا۔ وہ ایسا ہی بُرا ہے۔ جیسے

تمہارے آبا ہیں۔ تم نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ اگر میں اس میں نکل آؤں۔ تو وہ بڑے

خفا ہوں۔ پھر ذرا لمحہ بدل کر نہایت درد آمیز آواز میں بولی: بیچارے لائلے مجھے تجھ پر بڑا اثر ہے۔

اس نے یہ الفاظ اس قدر درد سے کہے۔ کہ لائلے پر بڑا اثر ہوا۔ اور اس کی

آنکھیں بھرائیں۔ کیوں تبسین؟

”تم بالکل اکیلے ہو۔ اور میں سمجھتی ہوں۔ کہ تم میرے ساتھ کبھی نہیں کھیلو گے۔“

لائلے نے اس کے دونوں ننھے ہاتھ پکڑ لئے۔ اور ان سے کھیلنے لگا۔ نہیں

یہ مت کہو۔ میں تمہارے پاس ضرور آؤں گا۔ اگر اب نہیں تو بڑا ہو کر تو ضرور ہی آؤں گا۔

وہ غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ابھی بڑے ہونے میں بہت دن ہیں لائلے۔

لائلے خاموش رہا۔ بچی کا یہ کہا بہت ہی درست تھا۔ لائلے کے بڑے ہونے میں

راگروہ بڑا ہوا تو، ابھی لمبا عصہ تھا۔ وہ بیچارہ اس چھوٹی زندگی سے ہی بیزار تھا۔ اور

ہرگز نہ چاہتا تھا۔ کہ صرف جوان ہونے کی خاطر وہ اتنے سال زندہ رہنے کی تکلیف

برداشت کرے۔ نھوڑی دیر یہ اسی طرح خاموش بیٹھے رہے۔ پھر تبسین بولی: اب

میں جاتی ہوں۔“

”اتنی جلدی! نھوڑی دیر اور ٹھیر جاؤ۔“

”نہیں آبا میرے لئے ٹھیرے ہوں گے۔ میں ان کو گھر لے جاؤں گی۔“

”اچھا تم آج ۴ بجے پھر آنا۔ میں یہاں کھڑا ہوا تمہاری راہ دیکھوں گا۔“

”میں آ نہیں سکتی۔ میری بوآ مجھے آنے نہیں دیں گی؟ لڑکی نے ذرا سہج کر جواب

دیا۔“

”نہیں پیاری تبسین تم ان سے منت کر کے کہنا ایک دفعہ تو آنے دیں گی۔ لائلے

نے بڑی عاجزی سے کہا +

”اب تو ہم یہاں سے جلدی جانے والے ہیں“

”ہاں لائٹی میں کوشش کروں گی۔ شاید آجاؤں شاید نہ آسکوں۔ مگر میں جلدی ملوگی

تم مجھے بھولنا نہیں“

”نہیں پیاری چھوٹی سی جھبین میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا“

جھبین نے اس باڑ کے سوراخ میں سے اپنا سر نکالا۔ اور کھڑی ہو گئی۔ لائٹل

نے اسے ٹوپی پہنا دی۔ دونوں بچوں نے لپٹ کر پیار کیا۔ اور جھبین جانے لگی۔ مگر

تھوڑی دور چل کر پھر واپس آئی۔ اور اسی سوراخ میں سے اپنا ننھا منہ نکال کر کہنے لگی۔

”ہم جلدی ملیں گے لائٹی۔ اور یہ کہ کر نثائب ہو گئی +

لائٹل پھر اکیلا ہو گیا۔ اور اب اس کی خوشی بالکل جاتی رہی۔ شاید اس چھوٹی

سہیلی کے اس قدر جلدی چلے جانے سے اس کا جی افسردہ ہو گیا۔ جو کچھ بھی وجہ ہو۔

اس کی طبیعت پر اب وہ بشاشت نہ رہی۔ جو صبح تھی + اس کا بے اختیار جی چاہا۔

کہ باڑ کو پھاڑ کر نکل جاوے۔ اور پھر ایک دن جی بھر کر کھیل لے۔ مگر وعدہ کر چکا تھا

اس لئے مجبور تھا۔ مگر یقیناً جھبین کے جلتے ہی اس کی تمام خوشی بھی غائب ہو گئی

تھی۔ اور اپنی تنہائی کا خیال اسے ستار ہا تھا۔ دھیان بٹانے کے لئے اس نے اپنی

دونوں کتابیں اٹھائیں۔ اور ایک طرف بیٹھ کر پڑھنے لگا۔ مگر اس کا جی اس وقت

اس طرف بالکل نہ جتا تھا +

تھوڑی دیر میں اس کی نگاہ دو بڑی خوب صورت تیتلیوں پر پڑی۔ جو نہایت

دلربا انداز سے پھولوں سے اٹھیلیاں کر رہی تھیں + ان کے زنگارنگ کے

نازک پُرسورج کی شعاعوں میں چمکتے ہوئے نہایت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ اُوں بھی
 تمام چیزیں نہایت خوش و خرم شاد و خنداں تھیں، لائل بیچارہ کو قدرت کی بے رحمی
 کا خیال آیا۔ اور دل میں کہنے لگا۔ اگر دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی بھی تکلیف یا رنج میں ہو یا
 مر جائے۔ تو کسی کو مال نہ ہو۔ قدرت کی ہر چیز ایسی ہی بنشاش جیسی اس وقت ہے۔ چڑیا
 اسی طرح میٹھی سروں میں چمپاتی رہیں۔ تیلیاں پھولوں سے اٹھیلیاں کریں۔ پھول کھلیں۔
 اور آفتاب چمکا کرے۔ شاید یہی وجہ ہے۔ کہ لوگوں نے ذرہ کو دنیا کا پیدا کرنے والا قرار
 دیا ہے *

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر ہلکے ہلکے ٹھلٹا ہوا مکان کے پھانک کی طرف نکل گیا۔ یہاں
 اونچے اونچے درخت سایہ کئے ہوئے تھے۔ اور انہیں میں سے ایک کے زیر سایہ
 ایک شخص کھڑا ہوا اس کی طرف کچھ اشارہ کر رہا تھا۔ یہ جلدی قدم بڑھا کر اس کے
 پاس پہنچا۔ مگر جوں ہی اس کی نگاہ اس مصیبت کے مارے بھیانک چہرے پر پڑی۔
 یہ چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کم بخت کا سر ضعف سے برابر ہلتا جاتا۔ اور معلوم نہیں
 کیوں یہ مُنہ سے لگاتار کچھ الفاظ کہے جاتا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں سب ٹیڑھے تھے۔
 اور بیچارہ بہ مشکل کھڑا ہو سکتا تھا۔ جسم سُوکھ کر کاٹنا ہو رہا تھا۔ اور چہرے پر مُردنی سی
 چھائی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری نہایت خوب صورت گلاب کے پھولوں سے
 لدی ہوئی تھی۔ اور دو چار لال لال بڑے عمدہ اور لذیذ سیب بھی پڑے تھے۔ یہ خوشنما
 و دلفریب چیزیں اس بھیانک مُڑے ہوئے ہاتھ میں جو برابر لائل کی طرف کچھ اشارہ
 کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہرگز زیب نہ دیتی تھیں *
 لائل اس کو دیکھ کر چونک پڑا۔ خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اور ایک دو لمحے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بھاگتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ ہمارا پیدا کرنے والا ضرور ذرہ ہی ہوگا۔ جو ہماری تکلیفیں محسوس نہیں کرتا۔ کوئی رحم دل شخص ایسے مصیبت زدہ کو زندہ نہیں رکھ سکتا + ہمیں دنیا میں لا کر تکلیف دینے سے کیا مطلب ہے۔ لائسنل سوچتا رہا۔ اگر کوئی مجھے اس کا سبب بتا دیتا۔ تو میری تسکین ہو جاتی۔ مگر سب تو کوئی بتاتا ہی نہیں۔ ریوین ڈویل کہتا ہے۔ کہ اس میں ضرور کوئی مصلحت ہے۔ مگر وہ بے علم ہے۔ کچھ جانتا نہیں۔ میں اس سے پوچھوں گا کہ اس کے التدمیاں کا اس پیچارے فقیر کو اتنی تکلیف دینے سے کیا مطلب ہے؟ پھر کسی خیال میں نیچے گیا۔ اور اپنے والد کی کتابوں میں کوئی کتاب دھونڈنے لگا۔ جہاں جہاں ان کی الماریاں تھیں۔ سب میں دیکھ ڈالا۔ مگر وہ کتاب نہ ملی۔ پھر ایک خادمہ کو پکارا تو سہمی تم کہاں ہو؟

”جی ہاں ماسٹر لائسنل کیا ہے؟“

”تم مجھے تھوڑی دیر کو اپنی انجیل دے سکتی ہو؟“

ضرور۔ کیوں نہیں؟ تھوڑی دیر میں تو سہمی باورچی خانہ کی طرف جا کر انجیل کی ایک جلد جو ایک نہایت باریک کاغذ میں لپیٹی ہوئی تھی۔ لے آئی۔ اور بڑی خوشامد سے کہنے لگی: دیکھنا سیاہی نہ لگے؟

”نہیں میں ابھی دے دوں گا“ لائسنل اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اور انجیل مقدس کے وہ صفحے کھول کر۔ جن میں حضرت مسیح کے بیماریوں کو شفا دینے کا حال درج تھا۔ دیکھنے لگا، پھر ایک آہ سرد بھر کر کتاب بند کر دی۔ اور دل میں کہا مجھے کیا۔ اس میں خواہ کتنا ہی اطمینان دلایا ہو۔ مگر میرے آبا جہاں اور پروفیسر تو کہتے ہیں۔ کہ یہ ٹھیک

ہی نہیں۔ اور میں نے تو ایک کتاب میں یہاں تک پڑھا تھا۔ کہ حضرت مسیح کبھی پیدا
ہی نہ ہوئے تھے +

تھوڑی دیر میں یہ تو سی کے پاس جا کر اسے کتاب واپس کر آیا، اس نے پوچھا
”تم جو دیکھنا چاہتے تھے۔ تمہیں مل گیا؟“

”ہاں.... نہیں۔ ہاں مل ہی گیا۔ تو سی تم نے اس بیچارے فقیر کو دیکھا تھا۔ اس
کے ہاتھ پاؤں سب ٹیڑھے تھے۔ اور اُس کی صورت بڑی ڈراؤنی تھی۔“

”ہاں وہ اسی گاؤں میں رہتا ہے۔ لڑکے اسے دیکھ دیکھ کر ہنسا کرتے ہیں۔ مگر
وہ فقیر نہیں۔ اپنی روزی آپ کما تا ہے۔ کسی پر اپنا بار نہیں ڈالتا۔ مگر معلوم نہیں وہ
کما کیسے سکتا ہے۔ شاید اللہ اس کی خود گمبانی کرتا ہے۔ کیونکہ اُوڑ کوئی اس غریب کی
پروا نہیں کرتا۔“

لائنل اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور بڑے غور سے پڑھنے لگا۔ بہت دیر تک
پڑھتا رہا۔ پھر بالکل تھک کر اُٹھا۔ گھڑی دیکھی۔ نوہ بجے تھے۔ اسے یاد آیا۔ کہ اس
وقت اُس نے جسین کو بلایا تھا۔ شاید وہ اب آتی ہی ہو۔ یہ سوچ کر نیچے گیا۔ اور بڑی
بے تابی سے باڑ کے پاس کھڑا ہوا انتظار کرتا رہا۔ مگر پانچ بج گئے۔ اور اس کی ننھی
سہیلی نہ آئی + آخر کار جب بالکل مایوس ہو گیا۔ تو اندر چلا گیا + تو سی اس کے واسطے کھانا
لے آئی۔ اور محبت بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر بڑے پیار سے بولی: ”میری
بات مانو تو آج تم ذرا جلدی سو جاؤ۔ ماسٹر لائنل تم بالکل تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو +
”میں اماں کے آتے تک جگا رہنا چاہتا ہوں +“ یہ سُن کر تو اسے فکر ہوئی۔ کچھ
بلی صلی اور پھر کہنے لگی: ”نہیں یہ مت کرو۔ آبا بڑے نرفا ہوں گے۔ تم روزہ بچے

سو جاتے ہو۔ تمہاری اماں تو اانجے آویں گی۔ اگر تم جب تک جاگتے رہے۔ تو ہم سب کی شامت آئے گی۔“

”اچھا تو جانے دو۔ ان کو میرا پیار تو ہے ہی نہیں.... اگر ہوتا....“ غریب لائٹل فقرہ ختم کرنے نہ پایا تھا۔ کہ آنسوؤں کی لڑی نے اس کی زبان روک دی۔ نرم دل خادم نے فوراً اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ میرے لعل کیا ہوا۔ تم کتنا رو رہے ہو۔ تمہیں بڑی محنت پڑتی ہے۔ تم تھک جاتے ہو۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ مسٹر مونٹروز چلے گئے۔“ مجھے بھی افسوس ہے۔ یہ کہ کہ جلدی لائٹل نے آنسو روک لئے۔ اور توسی کا برویج دیکھنے لگا۔ تمہیں یہ کس نے دیا تھا؟

”ہاں۔ ہاں! تم فکر مت کرنا۔ میں بالکل اچھا ہوں۔ صرف ذرا تھک گیا تھا۔ اب میں کھانا کھا لوں گا۔“ یہ کہ کہ توسی کو دکھانے کے لئے بہت شوق سے لائٹل کھانے کی طرف رجوع ہوا۔ وہ خوش ہو کر چلی گئی۔ مگر اس کا کمرے سے باہر نکلنا تھا۔ کہ لائٹل دسترخوان چھوڑ کر کھڑکی کے پاس آ بیٹھا۔ اور حسب معمول خیالات میں غرق ہو گیا۔ شام ہونے کے پہلے اس نے بہت کوشش کی۔ کہ تھوڑا سا اُور پڑھ لے۔ مگر کتاب ہاتھ میں لیتے ہی سر چکرانے لگتا۔ چنانچہ یوں ہی خالی ہاتھ بیٹھا رہا۔ سورج کو غروب ہوتے۔ اور تاروں کو نکلتے دیکھا کیا، پھر سونے کا وقت آیا۔ تو کھڑکی بند کرنے اُٹھا۔ کسی دُور کے میدان کی جانب سے اُلو کی بھیانک پکار اس کے کان میں پڑی۔ اس نے دل میں کہا۔ کیسی دردناک آواز ہے۔ ممکن ہے میری طرح یہ بھی زندگی سے بیزار ہو۔ اور ذرہ کی بے رحمی کا شاکھی +

ماں کا بیٹے سے رخصت ہونا

سنت محنت کے بعد لائل کا دماغ اس قدر تھک گیا تھا کہ دیر تک نیند نہ آئی، دن کو جو سبق یاد کیا تھا بار بار وہی خیال میں آتا، کبھی سوچتا کہ بادشاہ رچرڈ۔ جس نے مسلمانوں سے بیت المقدس چھیننے کے لئے جہاد کیا تھا، کیسا نا سمجھ شخص تھا کہ اس نے مذہب کی خاطر اتنی بڑی جنگ کی، اس کو شاید یہ نہ معلوم تھا کہ وہ محض اپنے وہم و خیال کے لئے لڑتا ہے، اگر وہ ایسا دانا ہوتا۔ جیسے لوگ آج کل ہیں۔ تو کیوں ناحق خون کے دریا بہتے؟ پھر کبھی پروفیسر کیڈمنگور کی صورت اور اس فقیر کا بھیانک چہرہ دکھائی دیتا۔ اور کبھی جسیمن ڈویل + آخر رفتہ رفتہ یہ سب خیالات مدہم پڑ گئے۔ اور کچھ گھنٹے بعد وہ بالکل غافل سو گیا۔ یہاں تک کہ ایک آواز نے کئی دفعہ لائل۔ لائل کہ کر پکارا۔ مگر اسے خبر نہ ہوئی، وہ سمجھا کہ شاید خواب دیکھ رہا ہے۔ مگر چوتھی پانچویں آواز سے تو آنکھ کھل ہی گئی۔ اور اس نے دیکھا کہ کوئی عورت کوٹ پہنے ہوئے اس کے پلنگ پر جھکی ہوئی ہے، مگر اسے میں چاروں طرف اندھیرا تھا۔ صرف کھڑکی کے شیشے میں سے کچھ جھلک روشنی کی اندر آرہی تھی، تھوڑی سی دیر کو یہ حیران ہو گیا۔ کہ اس وقت آدھی رات کو آنے والی یہ کون عورت ہے۔ اور میں کس کی صورت دیکھ رہا ہوں، مگر قبل اس کے کہ یہ دیکھ کر پہچان لیتا۔ اس نے لائل کو گھلے سے لگا لیا۔ اور بڑی میٹھی آواز میں بولی: لائل! میں نے تجھے ڈرا دیا۔ میرے بچے کیا تو مجھے نہیں جانتا؟

”ماں“ کہ کر لائل بھٹ پلنگ سے کودا۔ اور ماں سے لپٹ گیا، تم آئی ہو۔ تم نے

کتنا اچھا کیا۔ ابھی کپڑے بھی نہیں بدلے ہیں۔ کیا لوسی نے کہا تھا۔ کہ میرا تم سے ملنا چاہتا تھا؟

”نہیں۔ اس نے تو نہیں کہا۔ میں آج تجھ سے کچھ کہنے آئی ہوں۔ غور سے چُپ لگا کر سنا۔ ایسا نہ ہو تجھے سردی ہو جاوے“ یہ کہ کر مسز ویلسکوٹ نے اسے بڑی محبت سے اپنے کوٹ میں ڈھک لیا۔

مادر شفق و مہربان کی گود میں اس طرح بالکل شیرخوار بچوں کی طرح پڑا ہوا لائل نہایت ہی خوش تھا۔ اس کو اپنی ماں کی طرف سے اس مہربانی کی بالکل امید نہ تھی۔ چنانچہ دل ہی دل میں تعجب بھی کر رہا تھا۔

مسز ویلسکوٹ بولیں ”مجھے گود میں لٹائے ہوئے میرے لعل مجھے تو وہی تھا بچہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کو میں کبھی لوری دے کر سلاتی تھی۔ اور جس پر بڑا ناز کرتی تھی۔“ تجھے یاد نہیں تو ایک دفعہ بالکل چھوٹا بچہ تھا۔

لائل نے اپنی دونوں ہاتھیں اُن کے گلے میں ڈال دیں۔ ”ہاں اماں“

”اچھا لائل تم میری سب باتوں کو اب بڑے غور سے سنا۔ اور سمجھ جاؤ۔ میں آج رات اپنے ایک دوست کے پاس جانے والی ہوں۔ میرے لئے یہاں کوئی خوشی نہیں ہے۔ تمہارے آبا مجھے کوئی بات اپنی خوشی کی کرنے نہیں دیتے۔ وہ مجھے ہر قسم کے آرام اور خوشی سے اسی طرح محروم رکھتے ہیں جیسے تجھے۔ وہ خود بڑے نیک اور سمجھ دار آدمی ہیں۔ (یہ کہ کر مسز ویلسکوٹ حضارت سے ہنسی) اور ان لوگوں کی جو ایسے نہیں۔ ان سے نہیں بنتی۔ اسی لئے میں نے ارادہ کیا ہے۔ کہ تھوڑے دن اپنی مرضی کے مطابق بسر کروں گی۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے۔ تو تمہیں معلوم ہوگا۔

کہ جب کوئی بہت ہی اُداس رہتا ہے۔ یہاں تک کہ زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے۔
 نوڈاکٹرا سے کہیں دوسری جگہ بھیج دیتے ہیں + میرا آج کل بالکل یہی حال ہے۔
 مجھے یہاں رہتے رہتے زندگی دباں ہو گئی ہے۔ اور اب میں تھوڑے دن کو ایسی جگہ
 جاتی ہوں۔ جہاں مجھے تفریح کے سامان بہت ملیں گے + تمہارے آبا کے ایسے
 بھلے آدمی کبھی تفریح کا خیال نہیں کرتے۔ مگر میں بھلی نہیں ہوں۔ اور مجھے یہ
 زندگی سنا رہی ہے +

لائسنل یہ گفتگو سن کر کچھ حیران اور کچھ ننگلین ہو گیا +

”نہیں اماں تم بڑی اچھی ہو +“

”نہیں میرے لعل اگر اچھی ہوتی۔ تو پھر کیا تھا۔ میں بہت ہی بُری ہوں۔ اور
 میں اس بات کا نقش تمہارے دل پر جمانا چاہتی ہوں۔ مجھے کسی کا پیار نہیں۔ تیرا
 بھی نہیں میرے بچے +“

لائسنل نے نہایت درود آمیز اور دھیمی آواز میں کہا: ”اماں یہ مت کہو +
 وہ مذاقاً کہنے لگیں + نہیں مجھے اپنے بیٹے کا پیار نہیں۔ کبھی تھا ہی نہیں۔ میں
 تجھے کبھی اپنی گود میں نہیں لیتی تھی۔ نہ کبھی لوری دے کر سلاتی۔ نہ کبھی ان پیارے
 چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو پیار کرتی تھی۔ نہیں میرے پیارے بیٹے میں نے تجھے
 کبھی پیار نہیں کیا۔ نہ کرتی ہوں +“

سنز ویلکورت جھکیں۔ اور بڑی بے تابانی سے اُسے خوب زور سے پیار
 کرنے لگیں + لائسنل ان کی غیر معمولی حالت دیکھ کر سم گیا + یہ اسے اس قدر زور سے
 پکڑے ہوئے تھیں۔ کہ یہ بالکل ہل نہ سکتا تھا + چاند کی روشنی جو ان کے چہرے پر

پڑی۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ اس سے وحشت برس رہی تھی + کوئی بات بڑی سہجہ تباہ کن واقع ہونے والی ہے۔ لائسل کو فطر تا خیال آیا۔ شاید اماں بیمار ہیں۔ ان کی طرف دیکھ دیکھ کر اس کا دل خوف سے دھڑکنے اور بدن کا نپٹنے لگا۔

”کیا تجھے سردی لگ رہی ہے میرے بچے؟“ یہ کہ کر سنر ویلکورت ایک پاس کی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ اور لائسل کو پھر اپنے سمور کے کوٹ سے اچھی طرح ڈھک لیا۔
اب تجھے گرمائی آجاوے گی.... اچھا اب مجھے اپنی باتیں ختم کرنی چاہئیں + لائسل پیارے جب تو چھوٹا تھا۔ میں تجھے بڑا ہی پیار کرتی تھی۔ ہر وقت اپنے پاس رکھتی۔ ہر کام تیرا اپنے ہاتھ سے کیا کرتی تھی۔ کسی نوکر سے تیرا کام کروانا مجھے ہرگز اچھا نہ لگتا تھا + لوریاں دے دے کر تجھے سلاتی۔ اور ہر دم تیرے اوپر جان دیا کرتی تھی + مجھے تیری نسبت بڑی بڑی امیدیں تھیں + میں تیرے بڑے ہونے کے منصوبے باندھا کرتی تھی۔ اور تو اتنا خوب صورت موٹا تازہ بچہ تھا۔ کہ میں تیرا چاند سا منہ دیکھ کر باغ باغ ہو جاتی تھی + ان دنوں میں بڑی خوش رہا کرتی تھی۔ پھر تو بڑا ہوا۔ تو میں نہ چاہتی تھی۔ کہ تیرے اوپر پڑھائی کا اتنا بوجھ پڑے + میری آرزو تھی۔ کہ میرا بچہ کھیل کود کر خوب موٹا تازہ اور توانا ہو جاوے۔ مگر تیرے ابا کی رائے دوسری تھی۔ انہوں نے بڑی چھوٹی عمر سے تجھ سے سخت محنت کروانی شروع کی۔ میں دیکھتی تھی۔ کہ تو دن بدن زرد اور ڈبلا ہوا جاتا تھا + میرا دل بھرا آتا تھا + میں اکثر تیرے ابا سے التجا کرتی۔ کہ تیری صحت کا خیال کریں۔ مگر وہ نہیں سنتے تھے + رفتہ رفتہ میرا بچہ مجھ سے بالکل چھین لیا گیا + اب تو تو بڑا ہو گیا ہے۔ اور تجھے بھی میری ضرورت نہیں۔ اور تیرے ابا تو مجھ سے تنگ ہی رہتے ہیں + یہ بھی ایک وجہ ہے۔

جس سے میں تھوڑے دن کو جانا چاہتی ہوں + میں آج ہی چلی گئی ہوتی۔ مگر صرف تیری کشش مجھے یہاں لائی۔ مجھ سے یہ نہ ہو سکا۔ کہ میں تجھ سے رخصت ہوئے بغیر چلی جاتی؟

انہوں نے یہ سب باتیں بڑی بے تابی سے کہیں۔ ان کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں بالکل آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اور موٹی موٹی بوندیں لائٹل کے منتشر بالوں پر پڑ رہی تھیں + وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھا۔ اور بڑے پیار سے ایک ہاتھ ان کے گال پر رکھ کر کانپتی ہوئی آواز میں بولا: کیا تم واقعی جاؤ گی اماں؟ آدھی رات کو تمہارا جانا کیا ضروری ہے؟

”سنر ویسکورٹ نے اس کی طرف دیکھا۔ اور روتے روتے مسکرائیں۔ ہاں جاؤں گی تو ضرور۔ میں بھی تیری طرح ہوں۔ مجھے بھی چھٹی کی ضرورت ہے؟“

”میری اماں مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ مجھے تم بڑی پیاری ہو۔“

سنر ویسکورٹ کا خوب صورت چہرہ اس وقت شرم اور پشیمانی سے بدل گیا + وہ میں تجھے پیاری ہوں؟ بڑے تعجب کی بات۔ لائلی میں ہرگز تیرے پیار کی مستحق نہیں۔ تو مجھے پیار کرنا بالکل چھوڑ دے۔ کل تیرے آبا تجھے اس کی دھبتا بیٹھے۔“

تھوڑی دیر دونوں خاموش رہے۔ پھر لائٹل نے ڈرتے ڈرتے پوچھا: کیا تم بہت دن میں آؤ گی؟

”میں کہ نہیں سکتی میری جان۔ تیرے آبا کل تجھے میرا حال بتا دیں گے۔ اور وہ ضرور تم کو ہدایت کریں گے۔ کہ تم مجھے پیار نہ کرو + سنا پتے تو مجھے پیار نہ کیا کر۔ میں اس کی حق دار نہیں؟“

”نہیں اماں۔ تم ہمیشہ مجھے بڑی پیاری رہو گی۔ لائل نے آہستہ سے کہا۔
 ”تو اس وقت یہ سمجھتا ہے۔ مگر جب میرا حال سنے گا... جب میرا حال سنے گا۔“
 یہ کہہ کر انہوں نے پھر اسے اپنے سینے سے لگا کر زور سے پیار کیا۔ اور گود میں
 اٹھا کر ہلکے سے پلنگ پر ڈال دیا۔ اچھا میری چڑیا اب پھر اپنے نرم نرم گھونلے
 میں گھس جا۔“

ان کی آنکھوں سے حسرت اور مایوسی ٹپک رہی تھی۔ وہ بار بار سکرانے کی
 کوشش کرتی تھیں۔ مگر بے کار۔ چاند کی کرنیں سب تیرے منہ پر پڑتی ہیں۔ اور تیرا
 چہرہ میرے صل۔ اس وقت کیسا لگ رہا ہے۔ ہائے تو کتنا زرد ہے۔“
 یہ کہتے ہی وہ گھٹنے ٹیک کر زمین پر بیٹھ گئیں۔ دونوں ہانہیں پلنگ پر ڈال
 کر سر اپنے اکلوتے بیٹے کی چھاتی پر ڈال دیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔
 وہ اس وقت بالکل بے اختیار ہو کر خون کے آنسو بہا رہی تھیں۔ بس یہ معلوم ہوتا
 تھا۔ کہ ان کا دل کھیل کر بھٹکے گا۔ لائل پیارے کو انہیں اس قدر اضطراب میں دیکھ
 کر اگرچہ وہ اس کا سبب تو نہ معلوم کر سکا تھا، بہت ہی رنج ہوا، اس نے رکتے
 رکتے بہت ہلکے سے کہا۔ رو ڈومت! ہائے رو ڈومت اماں۔“

سنرویل سکوٹ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور جیب سے رومال نکال کر حس میں سے
 تروتازہ پھولوں کی روح افزا خوشبو آ رہی تھی۔ آنکھیں پونچھنے لگیں۔
 ”نہیں پیارے اب نہیں روؤں گی۔ یہ کہہ کر ہنس پڑیں۔“
 ”معلوم نہیں مجھے رونا کیوں آتا ہے۔ اس وقت میں بہت خوش ہوں۔“
 ایک دفعہ تو اپنی مرضی کروں گی... اس کے بعد کچھ ہی ہو مجھے پروا نہیں۔“

پھر اپنے کپڑے ٹھیک کرنے لگیں۔ ان کے ہاتھ بید کی طرح کانپ رہے تھے۔ لائٹل نے دیکھا کہ ان کی انگلیوں پر ہیرے بالکل اس طرح بل رہے تھے۔ جیسے نازک پھولوں پر شبنم کے قطرے +

پھر بولیں ”کچھ ہی ہو مجھے پر دانیس۔ بالکل نہیں“۔ لائٹل نے پلنگ پر لیٹے ہوئے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جس سے کچھ ایسی باتیں نمایاں تھیں۔ جن کو وہ بالکل سمجھ نہ سکا۔ مگر کچھ قدر تا یہ خیال آیا۔ کہ اگر میں اماں کو رو دوں۔ تو شاید یہ کسی خطرے سے بچ جاویں + اس نے بڑی منت کر کے کہا ”آج مت جاؤ۔ اماں رات بھر تو ٹھیرو۔ کل چلی جانا مجھے مت چھوڑ جاؤ میری اماں“۔ اُس نے اپنے دونوں دُبلے دُبلے بازو اُن کی طرف بڑھائے۔ اور خاموش پڑا ہوا ان کی طرف عاجزانہ نگاہوں سے دیکھتا رہا +

مسز ویلکورٹ نے اس کے دونوں ہاتھ پیار سے پکڑ لئے + ”میرے پیارے اگر میرے دل ہوتا۔ تو میں تجھے کیوں چھوڑ جاتی؟ میں ول ہی نہیں رکھتی + بہت برس ہوئے۔ تمہاری اماں بھی دل والی تھی۔ اور وہ دل بہت سی لہلہاتی اسپیدوں سے بھرا ہوا تھا + میں بڑی جاہل تھی۔ یہاں تک۔ کہ مجھے خدا کی ہستی کا یقین تھا۔ مگر تمہیں معلوم ہے۔ کہ تمہارے آبا ایسے بے وقوف لوگوں سے کتنے ناراض ہوتے ہیں + انہوں نے میرے بھی اس قسم کے تمام اعتقاد اٹھا دئے۔ اور مجھے سکھایا۔ کہ دنیا میں ہم کو صرف عزت کا خواہاں ہونا چاہئے۔ تم نہیں جانتے۔ کہ جب انسان کی زندگی کا مقصد عزت ہی عزت ہو۔ تو اسے زندگی کیسی وبال ہو جاتی ہے + تم سمجھ نہیں سکتے۔ بچے ہو۔ میرے غریب لائٹل میں تو تجھ سے اس طرح باتیں کرتی ہوں۔

جیسے تو کوئی بہت بڑا مرو ہے + صبح ہوتے تک میرا پیارا اپنے دل میں رکھنا۔ مجھے

اس خیال سے خوشی ہوگی۔ کہ میرے بچے کو میرا پیار ہے +

لائل ان کو زور سے چٹ گیا۔ "آاں جی مت جاؤ +"

"نہیں لائل یہ نہیں ہوگا۔ اگر میں نہ گئی۔ تو پاگل ہو جاؤں گی۔ میں بالکل تنگ

آگئی ہوں۔ اور مجھے تبدیل آب و ہوا کی ضرورت ہے +"

"مگر تم بہت دن وہاں نہیں رہو گی؟"

"نہیں بہت دن نہیں۔" بات بنا کر کہنے لگیں۔ "دیکھو جب تمہارے آبا مجھے

بلا دیں گے۔ میں آ جاؤں گی + میرے لعل۔ لائل پیارے مجھے کیوں اس طرح چٹ

کیا ہے؟ مجھے چٹ لگتی ہے۔ میں یہ سہہ نہیں سکتی۔ بالکل سہہ نہیں سکتی +"

یہ کہ کر وہ پھر رونے لگیں۔ اور زور سے لائل کو الگ کر دیا۔ اس بیچارے

نے گھبرا کر پوچھا۔ "ایں آاں کیا واقعی چٹ لگی؟"

"ہاں واقعی چٹ لگی۔ انہوں نے ہنس کر جواب دیا۔ "تمہاری چھوٹی چھوٹی آنکھوں

نے میرا دل مسل ڈالا۔ مگر مجھ میں تو دل ہی نہیں ہے۔ میں بھول گئی۔ خیر تم یہ مت

بھولنا +"

اتنے میں سڑک کے کناروں پر گاڑی کے چلنے کی آواز آئی۔ یہ کان دکا کر سننے

لگیں۔ چہے سے وحشت برس رہی تھی۔ پھر لائل کی طرف مخاطب ہوئیں + تو نے

تواریخ میں انقلاب فرانس کا حال پڑھا ہوگا۔ تجھے معلوم ہوگا۔ کہ لوگوں کو قتل گاہ کی

طرف لے جانے کے لئے گاڑیاں کس طرح آتی تھیں۔ میں نے بھی اس وقت اسی

طرح گاڑی کی آواز سنی۔ اور میں اپنی مرضی سے قتل گاہ جاتی ہوں +"

لائسلیں یہ سنتے ہی کچھ غیر معمولی ہمت سے کھڑا ہو گیا۔ "نہیں اماں تم کیسے جاؤ گی۔ میں نہیں جانے دوں گا۔ اگر تم گئیں + تو میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ مجھے مت چھوڑ جاؤ"۔

مسز ویلسکوٹ نے ترشی سے گھرک کر اسے زبردستی پلنگ پر لٹا دیا۔ اور کہا "تم بڑے ہی شریر ہو۔ میں ناحق تمہارے پاس آئی۔ بس چپکے پڑے رہو۔ اور خبردار پھر نہ اٹھنا" لائسل نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔ وہی پرانا تکلیف دہ خیال۔ کہ میں کسی کو بھی عزیز نہیں۔ اسے پھر ستانے لگا۔ مگر لمحہ بھر بعد ہی اس کی ماں پشیمان ہو کر پھر آئیں۔ اور جھک کر کہنے لگیں "میرے لعل مجھے معاف کرا۔ کیا تو خفا ہو گیا؟ آہیں پھر ایک دفعہ تجھے گلے سے لگاؤں"۔

یہ بتنے سے اٹھا۔ اور اپنے بازو ان کی گردن میں ڈال دئے۔ وہ بڑی بے تابی سے اسے پیار کرتی رہیں۔ چاند کی شعاعیں ان دونوں ماں بیٹوں کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ ایک کے منہ سے محبت اور پاکیزگی عیاں تھی۔ دوسرے چہرہ سے غم۔ غصہ۔ پریشانی اور وحشت برس رہی تھی + مسز ویلسکوٹ نے اب آخری دفعہ اپنے پیارے بیٹے کی پیشانی کو چوما۔ اور دعا میں دیں "تو جی میرے لعل۔ صبح ہوتے تک میرا پیار اپنے دل میں رکھو"۔

یہ کہتے ہی وہ جلدی سے الگ ہو گئیں۔ اور دم بھر میں گھر سے باہر لائسل بیچارہ تھوڑی دیر اپنے پلنگ میں پڑا ہوا کا پتلا رہا۔ پھر کسی خیال سے اٹھ کر جلدی جلدی بھاگا۔ اور میٹر صیوں پر جا کر کھڑا ہو گیا +

چاروں طرف سنان میدان پڑا تھا۔ کوئی ذمی روح۔ کوئی طاثر تک نظر نہ آتا

تھا۔ اس نے آہستہ سے ”اماں“ کہ کر پکارا۔ ایک دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ”اماں“ اس نے پھر کہا۔ یہ کزور دھیمی آواز ہوا کے شور و غل میں سُنائی بھی نہ دی۔ مگر اس نے غور سے کان لگا کر سُنا شروع کیا۔ تو سڑک پر گھوڑے کے قدموں اور گاڑی کے پیوں کی آواز آئی، یہ دوڑ کر اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس پہنچا۔ اور باہر دیکھنے لگا، چاندنی پوری کھلی ہوئی تھی۔ سب چیز چمک رہی تھی۔ اور دور دور تک ہر چیز نظر آتی تھی۔ مگر کسی ذی روح کا نشان تک دکھائی نہ دیا۔ ہوا بہت سرد تھی۔ ٹھنڈک سے اس کا کم زور جسم کانپنے لگا۔ مگر انتہائے غم میں اس نے محسوس بھی نہ کیا، پھر تاروں بھرے نیلگوں آسمان کی طرف نظر کی۔ اس کے سامنے ہی ایک روشن تارا چمک رہا تھا۔ ہوا درختوں کے پتوں کو ہلارہی تھی۔ اُو دردناک آواز سے بولتے جاتے تھے۔ اور چمکاؤں ٹہنیوں کے تنے اِدھر اُدھر پھیر رہے تھے، لائٹل نے پھر دردناک آواز سے کہا: ”اماں! امیری اماں! پھر آنسوؤں کی جھڑی نے اس کی نظر مدھم کر دی۔ اور راستہ ٹول کر یہ پیمارہ معصوم افسردہ دل بچہ پلنگ پر جا لیٹا۔ اور روتے روتے سو گیا۔“

وبلیکورٹ اور پروفیسر کی سیر سے واپسی

دوسرے دن تکان اور انتہائے غم کے آثار لائٹل کے چہرہ پر نمایاں تھے۔ اس کا منہ اُتر ہوا اور زرد تھا۔ مگر چونکہ اسے اپنے جذبات اور خیالات کو ضبط کرنے کی شروع ہی سے عادت تھی۔ اس نے کسی سے کسی قسم کی شکایت نہ کی، تو سہی اس کے لئے کھانا لائی۔ اور کہنے لگی :-

”تمہاری اماں کل رات کو آئیں۔ اور چلی گئیں۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟“

”میرا کوئی خیال نہیں۔ مجھے ان باتوں سے کیا مطلب؟“
 لوسی سوچنے لگی۔ کیا میرا فرض ہے۔ کہ میں اس بچے کو اس کی ماں کے فعل سے
 آگاہ کر دوں۔ اور بتا دوں۔ کہ ان کی نسبت نہ صرف تمام نوکروں ہی میں۔ بلکہ سارے
 گاؤں میں کیا بات مشہور ہو گئی ہے + پھر دل میں کہا۔ نہیں۔ مجھ سے نہیں ہوگا۔
 کیا کم زور اور نازک بچہ ہے۔ سن کر سہم جائے گا۔ اور کیا تعجب ہے۔ کہ یہ اس کے
 صحیح معنی سمجھ بھی نہ سکے + میں اسے یہ باتیں بتا کر بے چین کر دوں۔ اس سے
 مجھے کیا حاصل؟ پھر لائٹل سے گویا ہوئی۔ تمہارے آبا اور پروفیسر تو آج شام کو
 آجائیں گے؟

”ہاں... شاید۔ لائٹل نے بے رنجی سے جواب دیا۔“

”مجھے تو لائٹل کچھ بہت پسند نہیں۔ اب وہاں ٹریم کار کا راستہ نکل آیا ہے۔ مگر
 وہ اس کی خوب صورتی کو کسی طرح نہیں بڑھاتا۔ وہ جگہ کچھ بہت قابل دید نہیں ہے۔“
 لوسی یہ کہتے ہوئے رک گئی۔ اور پھر سوچ کر بولی۔ تمہارے آبا کی دفتر کی میز پر تمہاری
 اماں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط پڑا ہے۔“

لائٹل نے اس کی کسی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور گردن جھکائے کھانا کھاتا
 رہا۔ لوسی مایوس ہو کر باہر چلی گئی۔ اس کے جلتے ہی لائٹل نے تشریح سامنے سے
 اٹھا دی۔ اور اپنے خیالات میں غرق ہو گیا۔

آدھی رات کو مسٹر ویلیکورٹ کا اس کے پاس آنا۔ ان کے چہرے کے عجیب
 آثار۔ ان کے نرمے الفاظ۔ ان کا غیر معمولی محبت سے اسے باز بار پٹ جانا۔ اسے
 اب بالکل ایک خواب کا سا منظر معلوم ہوا۔ وہ زیادہ دیر اس سین کو خیال میں رکھنے

کی جرات نہ کر سکا۔ کیونکہ یہ واقعات یاد آتے ہی اسے کچھ فطرۃً خیال آتا۔ کہ خاص میرے لئے اس میں کوئی بات بڑی ہی درد انگیز۔ بڑی ہی ڈراؤنی۔ اور بالکل تباہ کن واقعہ ہو گئی ہے، دھیان ہٹانے کے لئے اس نے حسب معمول اپنی کتابیں لیں۔ اور پڑھنے لگا۔ پہلے ایک لاطینی نظم کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ کچھ دیر تواریخ کے اوراق پر نظر ڈالی۔ اور بعد میں ایک دقیق سوال حل کر رہا تھا۔ کہ اس کے کان میں گاڑی کے بجل کی آواز پڑی۔ اور اس نے دیکھا۔ کہ لٹن کی گاڑی جس میں اس کے آبا اور پروفیسر آرہے تھے۔ بالکل مکان کے قریب آگئی ہے +

بہت تھوڑی دیر کے بعد یہ دونوں پھیانک کے اندر داخل ہو کر جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے نظر آئے، اب یہ اپنا دھیان کتابوں میں نہ لگا سکا۔ اس کا کمزور ننھا دل دھڑکنے لگا۔ اور اسے خیال آیا۔ کہ اب مجھے کوئی بڑی ہی بھیانک خبر سننے کو تیار ہو جانا چاہئے + مگر وہ خبر کیا ہو سکتی ہے۔ یہ بالکل اندازہ نہ کر سکا +

نیچے سے زور کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ یہ سہم کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور دیکھنے لگا۔ کہ معاملہ کیا ہے۔ کہ یکایک اس کے باپ کی کرخت آواز غصے سے کانپتی ہوئی یہ کہتی سنائی دی۔ لائل۔ لائل۔ اے کہاں گیا۔ کہیں وہ بھی تو ماں کی طرح....“

فقرہ ختم نہ کرنے پائے تھے۔ کہ لائل جلدی سے نیچے پہنچا۔ اور گھبرائی ہوئی دھیمی آواز میں بولا۔ میں یہ کھڑا ہوں۔ آبا جان +

وہ خوف زدہ ہو کر اپنے باپ کا بھیانک چہرہ دیکھنے لگا۔ اور سمجھا۔ کہ شاید یہ بالکل پاگل ہو گئے ہیں + ان کی دونوں آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ چہرہ بے طرح سُرخ تھا۔ وہ جوش میں دانت پیس رہے تھے + مجسم غصے کی تصویر بالکل

ایک دیو زاد دکھائی دیتے تھے +

ان کی نگاہ جیسے ہی اپنے معصوم بچے پر پڑی۔ انہوں نے تیموری چڑھا کر نمانا کرخت آواز میں کہا:-

”اچھا تم یہ کھڑے ہو۔ کیا تم... کل اپنی ماں سے ملے تھے؟“

”جی ہاں...“ لائل نے نہایت آہستہ سے کہا: ”میں سو رہا تھا۔ انہوں نے مجھے

اگر جگایا۔ اور کہا۔ کہ میں تجھ سے رخصت ہونے آئی ہوں۔“

مسٹر ویسکورتھ نے اس کمزور دلی پتلی شکل کو نہایت حقارت سے دیکھا۔ رخصت

ہونے آئی ہوں۔ بس اتنا ہی یا کچھ اور بھی کہا تھا۔ سب کو۔“

لائل خوف سے کانپنے لگا۔ اور رکتے رکتے بولا۔ انہوں نے کہا... انہوں

نے کہا تھا۔ کہ میں اپنے ایک دوست کے پاس جاتی ہوں۔ جو میرا جی بہلا سکے گا

.... اور انہوں نے کہا۔ کہ وہ یہاں اب خوش نہیں رہتیں۔ اور کچھ تبدیلی چاہتی ہیں۔

یہ بھی کہتی تھیں۔ کہ میں بہت دن الگ ہی رہوں گی، انہوں نے مجھے پیار کیا تھا۔ اور

گلے مل کر کتنا ہی روئی تھیں۔ آبا جان۔ وہ کب آئیں گی؟ انہیں کیا ہوا؟ مجھے بتا دیجئے

اتنا کہتے ہی لائل کا سر جکڑنے لگا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا اُگیا۔ اور یہ

آگے کچھ نہ کہہ سکا +

”ہاں میں تم کو سب سچ بتاؤں گا۔ تمہاری ماں نہایت بُری عورت ہے۔ اس کا

نام میرے لئے اور تمہارے لئے ذات کا باعث ہے۔ اس کی مستی میری اور تمہاری

دونوں کی رسوائی ہے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ کس قسم کی عورتیں رات کے وقت غیر

شخصوں کے ساتھ چوروں کی طرح گھر سے نکل جاتی ہیں؟ اگر تمہیں نہیں معلوم۔ تو

کی جرات نہ کر سکا۔ کیونکہ یہ واقعات یاد آتے ہی اسے کچھ فطرۃً خیال آتا۔ کہ خاص میرے لئے اس میں کوئی بات بڑی ہی درد انگیز۔ بڑی ہی ڈراؤنی۔ اور بالکل تباہ کن واقعہ ہو گئی ہے۔ دھیان ہٹانے کے لئے اس نے حسب معمول اپنی کتابیں لیں۔ اور پڑھنے لگا۔ پہلے ایک لاطینی نظم کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ کچھ دیر تواریخ کے اوراق پر نظر ڈالی۔ اور بعد میں ایک دقیق سوال حل کر رہا تھا۔ کہ اس کے کان میں گاڑی کے بجل کی آواز پڑی۔ اور اس نے دیکھا۔ کہ لنتن کی گاڑی جس میں اس کے آبا اور پروفیسر آرہے تھے۔ بالکل مکان کے قریب آگئی ہے +

بہت تھوڑی دیر کے بعد یہ دونوں پھانک کے اندر داخل ہو کر جلدی جلدی

قدم بڑھاتے ہوئے نظر آئے، اب یہ اپنا دھیان کتابوں میں نہ لگا سکا۔ اس کا کمزور نتخا دل دھڑکنے لگا۔ اور اسے خیال آیا۔ کہ اب مجھے کوئی بڑی ہی بھیانک خبر سننے کو تیار ہو جانا چاہئے + مگر وہ خبر کیا ہو سکتی ہے۔ یہ بالکل اندازہ نہ کر سکا +

بیچے سے زور کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ یہ سہم کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور دیکھنے لگا۔

کہ معاملہ کیا ہے۔ کہ یکایک اس کے باپ کی کرخت آواز غصے سے کانپتی ہوئی یہ کہتی

سنائی دی۔ لائل۔ لائل۔ اے کہاں گیا۔ کہیں وہ بھی تو ماں کی طرح....“

فقرہ ختم نہ کرنے پائے تھے۔ کہ لائل جلدی سے بیچے پنچا۔ اور گھبرائی ہوئی

دھیمی آواز میں بولا میں یہ کھڑا ہوں۔ آبا جان +

وہ خوف زدہ ہو کر اپنے باپ کا بھیانک چہرہ دیکھنے لگا۔ اور سمجھا۔ کہ شاید یہ

بالکل پاگل ہو گئے ہیں۔ ان کی دونوں آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ چہرہ

بے طرح سُرخ تھا۔ وہ جوش میں دانت پیس رہے تھے + مجسم غصے کی تصویر بالکل

ایک دیو زاد دکھائی دیتے تھے +

ان کی نگاہ جیسے ہی اپنے معصوم بچے پر پڑی۔ انہوں نے تیوری چڑھا کر نماز
کرفت آواز میں کہا:-

”اچھا تم یہ کھڑے ہو۔ کیا تم... کل اپنی ماں سے ملے تھے؟“

”جی ہاں...“ لائل نے نہایت آہستہ سے کہا۔ ”میں سو رہا تھا۔ انہوں نے مجھے
آکر جگا یا۔ اور کہا۔ کہ میں تجھ سے رخصت ہونے آئی ہوں۔“

مسٹرویلکورتھ نے اس کمزور دلی تپلی شکل کو نہایت حقارت سے دیکھا۔ رخصت
ہونے آئی ہوں۔ بس اتنا ہی یا کچھ اور بھی کہا تھا۔ سب کہو۔“

لائل خوف سے کانپنے لگا۔ اور رکتے رکتے بولا۔ انہوں نے کہا... انہوں
نے کہا تھا۔ کہ میں اپنے ایک دوست کے پاس جاتی ہوں۔ جو میرا جی بہلا سکے گا

... اور انہوں نے کہا۔ کہ وہ یہاں اب خوش نہیں رہتیں۔ اور کچھ تبدیلی چاہتی ہیں۔
یہ بھی کہتی تھیں۔ کہ میں بہت دن الگ ہی رہوں گی، انہوں نے مجھے پیار کیا تھا اور

گلے مل کر کتنا ہی روئی تھیں۔ ابا جان۔ وہ کب آئیں گی؟ انہیں کیا ہوا؟ مجھے بتا دیجئے
اتنا کہتے ہی لائل کا سر چکرانے لگا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا آگیا۔ اور یہ

آگے کچھ نہ کہ سکا +

”ہاں میں تم کو سب سچ بتاؤں گا۔ تمہاری ماں نہایت بُری عورت ہے۔ اس کا
نام میرے لئے اور تمہارے لئے ذات کا باعث ہے۔ اس کی مستی میری اور تمہاری

دونوں کی رسوائی ہے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ کس قسم کی عورتیں رات کے وقت غیر
شخصوں کے ساتھ چوروں کی طرح گھر سے نکل جاتی ہیں؟ اگر تمہیں نہیں معلوم۔ تو

اب سنو۔ کیونکہ تمہاری ماں نے یہی فعل کیا ہے۔ اور وہ کم بخت جس کے ساتھ بھاگی ہے سر چارلس لیس ہے۔ اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی۔ اس نے میری عورت برباد کی۔ اور اپنی خاک میں ملائی ہے، اس وقت سے کبھی اس کا ذکر مت کرنا۔ اس کا خیال ہی چھوڑ دو۔ یاد رکھو۔ کہ آج تمہاری ماں مر گئی ہے۔“

لائل نے دونوں کا نپتے ہاتھوں سے چکراتے ہوئے سر کو سہارا دیا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ مگر بول نہ سکا۔ صرف درد آمیز نگاہوں سے پروفیسر کی طرف دیکھنے لگا۔ بوڑھے عالم کے جھڑپاں پڑے ہوئے چہرے پر ایک دھندلی سی جھلک رحم کی نظر آئی۔ مگر اس وقت لائل پر اپنے والد ماجد کے بھیانک چہرے اور ڈراو نے الفاظ کا اس قدر ڈر غالب آیا ہوا تھا۔ کہ اس کی آنکھوں کے آگے اُوڑ ہر اک چیز مدہم پڑ گئی تھی۔“

مسٹر ویلسکورت پھر بڑی بے رحمی سے کہنے لگے۔ تمہیں معلوم ہے کسی عورت کے گناہ میں زندگی بسر کرنے کے کیا معنی ہیں؟ تم نے تواریخوں میں پڑھا ہوگا۔ کہ کس طرح بعض لوگ بُری اور بدنام زندگی بسر کرنے سے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں، تمہاری ماں ایسی نہیں۔ وہ نہایت ہی بُری عورت ہے۔ اس کو اپنی بُری عادتوں پر ہی فخر ہے۔ اپنی خود غرضی میں اس نے نہ میرا خیال کیا۔ نہ تمہارا، اگر وہ آج سے دو تین سو سال پہلے پیدا ہوئی ہوتی۔ تو زندہ جلا دی جاتی۔ یا اس کی کھال کھنچوا دی جاتی۔ اور وہ یقیناً ان سزاؤں کی مستحق ہوتی۔“

یہ کہتے ہوئے مسٹر ویلسکورت نے دائیں ہاتھ کی مٹھی زور سے بند کر لی۔ شاید اس وقت وہ حقیقت میں نہیں تو تصور میں ہی اپنی گنہ گار اور غلطی کرنے والی بی بی

کی کھان کھینچ ڈالنے کو تیار تھے +

جب تم بڑے ہو گے۔ تو تم کو اس خیال سے شرم آئے گی۔ کہ وہ تمہاری

مال ہے۔ وہ....“

مگر اب لائٹل سے رہا نہ گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا ننھا ہاتھ اپنے باپ کے زور اور بازو پر رکھ دیا۔ اور بڑی منت کر کے بولا یہ نہیں آتا... یہ مت کہو۔ مجھے وہ بڑی پیاری ہیں.... میں یہ سہہ نہیں سکتا + وہ کل ہی میرے پاس آئی تھیں۔ اور گلے مل کر انہوں نے مجھے کس طرح پیار کیا تھا۔ میں ہرگز نہیں بھولوں گا....

اماں.... میری اماں +

یہ بے چڑ الفاظ کہتے ہوئے۔ اس نے دیکھا۔ کہ مسٹر ویلیکورٹ غضب ناک مگکا ہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں اس نے پروفیسر پینگو کو کہتے سنا۔ آپ بہت کچھ کہ چکے۔ بس اب جانے دیں +

پھر خدا جانے اسے کیا خیال آیا۔ کہ لائٹل زور سے بھاگا۔ اور معلوم نہیں۔ دوڑتے دوڑتے وہ کدھر نکل گیا + راستے کی چیزیں اس کو دھندلی دکھائی دیتی تھیں۔ لوگوں کی آوازیں اس کے کان میں پڑتی تو تھیں۔ مگر یہ سمجھ نہ سکتا تھا۔ کہ کیا کہتے ہیں + سڑک پر بہت سے اجنبی چہروں میں سے ایک کو اس نے پہچانا۔ یہ صورت اس نے جس روز سے مسٹر منٹروز کو دواغ کیا تھا۔ پھر نہ دیکھی تھی۔ مگر اب نگاہ پڑتے ہی یہ اس کی طرف بھاگا +

ایں مس بین یہ بیچ نہیں سہتا۔ یہ سہتا۔ میری اماں ہمیشہ کو نہیں

گئی ہیں۔ نہیں۔ نہیں ان کو میرا بڑا پیار ہے۔ وہ کس طرح مجھ سے جدا رہ سکیں گی؟

اچھی مس مین مجھے سچ بتا دو۔ لوگ ان کو برا کہتے ہیں۔ کیا تم بھی ان کو برا سمجھتی ہو؟
 کلیرنڈا کا محبت بھرا نرم دل اسی وقت بھرا آیا۔ ایک لمحے بھر میں اس نے نپتے
 کی حالت کا بخوبی اندازہ کر لیا۔ لائٹل کی تنہائی۔ اس کی مصیبت اور اس کی لاوارث حالت
 کے درد انگیز خیال نے اُسے غیر معمولی محبت سے اس کی طرف رجوع کیا۔ بغیر ایک
 لفظ کے۔ اس نے اپنے بازو لائٹل کی طرف بڑھا دئے۔ دم بھر میں لائٹل نے اس
 کی افسردہ مگر محبت بھری رحم آمیز نگاہ سے اپنے سوال کا جواب پالیا۔ اور اس کو
 ایسا معلوم ہوا۔ کہ گویا آسمان زمین اور گرد و نواح کی سب چیزیں اس کے ارد گرد گھومنے
 لگی ہیں + اس نے مشکل سے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اور اس کے قدموں پر گر پڑا +

لائٹل کی بیماری

”تبدیل آب و ہوا سے فائدہ ہوگا۔ تھوڑے دن کو کہیں باہر لے جائیے۔“ گگاؤں
 کے سب سے حاذق ڈاکٹر نے لائٹل کی نبض دیکھ کر کہا + اس کے دل پر صدمہ کا بہت
 گہرا اثر پڑا ہے۔ اس قسم کی خانگی تکالیف ناقابل برداشت ہوتی ہیں + مجھے آپ سے
 دلی ہمدردی ہے۔“ سٹروویسکورت کی طرف مخاطب ہو کر جو اس وقت لائٹل کے پلنگ
 کے پاس بڑی عجیب صورت بنائے کھڑے تھے۔ ڈاکٹر ہارٹلی کہتے رہے +
 سٹروویسکورت کو خبر پہنچی تھی۔ کہ ایک غریب و بھقان عورت لائٹل کو گود میں
 اٹھائے ہوئے آئی تھی۔ جس نے بعض نوکروں کے سامنے ان سے اظہار ہمدردی
 کیا۔ اور لائٹل کی نسبت تو یہاں تک کہا۔ کہ ”خدا بیچارے بن ہاں کے بچے کا گھمباز
 ہو۔ اس کی اس گستاخی کی تلافی کسی طرح نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے فوراً نوکروں

کو حکم دیا۔ کہ وہ اس دن کے بعد ہرگز مکان میں نہ آنے پاوے +

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مکان پر آدمی بھیجے۔ اور وہ دم بھر میں ان کو لے کر آئے + ٹھوڑی ہی دیر میں یہ لائنل کو جو ان کے آنے تک بے ہوش پڑا تھا۔ ہوش میں لے آئے۔ اور وہ آنکھیں کھول کر کم زور نگاہوں سے دیکھنے اور سوچنے لگا۔ کہ مجھے کیا ہوا تھا۔ اور میں کہاں پڑا ہوں؟ ڈاکٹر صاحب نے پھر کچھ سوچ کر اور آہستہ سے لائنل کی پلک اٹھا کر آنکھیں غور سے دیکھنے کے بعد کہا: ”جس قدر جلدی ہو سکے۔ اسے یہاں سے لے جائیے“

مشرو ویلسکورت نے ذرا تندہی سے جواب دیا +

”میرا جانا تو ممکن ہی نہیں۔ میں ان دنوں بہت مصروف ہوں۔ اس کے

علاوہ اس کی تعلیم میں بھی بہت ہرج ہوگا“

ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے ان کی طرف نگاہ کی۔ اور کہا: ”آپ مالک ہیں۔ جو مناسب سمجھیں کریں۔ مگر میرا بھی یہ کہ دینا فرض ہے۔ کہ اگر یہ فوراً کسی دوسری جگہ نہ بھیجا گیا۔ تو بڑے خطرناک نتیجے پیدا ہوں گے۔ اور اس کا جسم اتنا قوی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ کسی سخت بیماری کو برداشت کر سکے۔ اور تعلیم کا تو آج کل ذکر ہی کیا؟“

مشرو ویلسکورت چیں بہ جبین ہو کر دیکھنے لگے۔ ان کو یہ سنتے ہی ڈاکٹر سے کچھ نفرت سی ہو گئی + انہیں خیال آیا۔ کہ لو ایک اُور نیم وحشی سے پالا پڑا۔ جس کے خیالات ایسے ہی دنیا نوسی ہیں۔ جیسے ولیم مونٹروز کے تھے + پھر کچھ غور کر کے بولے +

”شاید پروفیسر کیڈ منگور جانے پر راضی ہو سکیں“

ڈاکٹر نے لائل کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بڑی مہربانی اور آہستہ سے اس کے بال پیچھے کر کے کہا: ”وہ کون ہیں؟“

مسٹر ویلیکورٹ ان کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔ پھر کچھ حقارت سے ہنسنے اور بولے: ”پروفیسر کیڈمنگورز مانے کے بہت بڑے عالموں میں سے ہیں۔ ان کا شہرہ عام ہو چکا ہے۔ مجھے خیال تھا۔ کہ شاید اس طرف بھی مہذب لوگ ان کے نام سے واقف ہیں۔ وہ بہت سی سائنس کی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ نوجوانوں کی عادات و خصایل سنوارنے اور ان کی دماغی قابلیت بڑھانے میں ان کو کمال حاصل ہے۔ وہ کبھی اتنے چھوٹے بچے کی نگرانی اپنے ذمہ نہیں لیتے۔ مگر میرے اوپر خاص مہربانی ہے۔ کہ آج کل وہ یہاں آئے ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو جائیں۔ بشرطیکہ تبدیل آب و ہوا واقعی ایسی ضروری ہو۔ جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے۔“

”جی ہاں۔ میں تو اس کو اشد ضروری جانتا ہوں۔ بہت دور مت لے جائے۔ کیونکہ سفر کا تکان مضر ہوگا۔ کلوولی چلا جانا بہتر ہے۔ وہاں یہ تھوڑے دن رہیں۔ اور خوب کھیلیں۔ کودیں۔ خدانے چاہا۔ تو بہت جلد افاقہ ہوگا۔ اور میری رلے میں تو آج ہی تھوڑی دور کم سے کم الفز کی بوتلک ضرور بیج دیں۔ آپ خود نوجوان نہیں سکتے؟“

”نہیں یہ ناممکن ہے۔ مجھے فوراً لندن جانا ہے۔ وہاں وکیلوں سے... سے مشورہ کرنا ہوگا۔“ بے شک... بے شک۔ ڈاکٹر صاحب نے متانت سے کہا۔

اچھا۔ تو میں بچے کے استاد سے مل سکتا ہوں۔ مجھے ان سے بھی کچھ کہنا ہے۔“

”ضرور... ضرور آئیے۔ میں آپ کو ان سے ملا دوں۔“

ڈاکٹر نے ایک نظر کرے کے چاروں طرف ڈالی۔ یہ لائل کی خواب گاہ تھا۔

گھر کی بند تھی۔ انہوں نے اسے کھول دیا۔ اور بولے ۔

”تازہ ہوا۔ مقوی غذا۔ اور کامل آرام کی لڑکے کو ضرورت ہے۔ اور اس کا جی ہر وقت خوش رکھنا چاہئے۔ اکیلا مت رہنے دیں۔ کسی نوکر کو بھیج دیں۔ کہ اس کا جی بہلائے۔“
 ”لوسی کو بھجوا دیجئے۔“ لائٹل نے کمزور اور دھیمی آواز سے کہا ۔

ڈاکٹر ہارٹلی بڑی شفقت سے اس کی طرف جھکے۔ ”کس کو بھجوادوں؟“
 ”لوسی کو۔ وہ ہماری نوکر ہے۔ اور بڑی اچھی لڑکی ہے۔ مجھے بڑی پسند ہے۔“
 ڈاکٹر ہارٹلی مسکرائے۔ ”اچھا وہ ابھی تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔ تم اطمینان رکھو۔
 اب تمہارا جی کیسا ہے؟“

”پہلے سے بہت اچھا ہوں....۔ مگر مجھے یائیں بھولتی نہیں ہیں.... میں جلدی کچھ نہیں بھول جاتا۔“ ڈاکٹر نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ صرف جھک کر اپنے ننھے مریض کے تکیوں کی سلوٹ نکالی۔ اور ان کو زیادہ اچھی طرح اس کے سر کے نیچے لگا دیا۔ پھر مشرویلیکورٹ کی طرف مڑے۔ اور پروفیسر کینڈینگور سے ملنے کو کمرے کے باہر نکل گئے ۔

جب لوسی دبے پاؤں آہستہ سے دروازہ کھول کر لائٹل کے پاس آئی۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ یہ معصوم افسردہ دل بچہ غافل سو رہا تھا۔ مگر آنسوؤں کے نشان ابھی تک اس کے رخساروں پر باقی تھے۔ اور چہرے سے ایسی حسرت ٹپکتی تھی۔ کہ اس بیچاری نرم دل عورت سے نہ رہا گیا۔ اس نے اپنا رومال نکالا۔ اور منہ چھپا کر دیر تک زار زار روتی رہی۔ اور دل میں کہنے لگی۔ کہ ایسے پیارے چھوٹے سے بچے کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا ان کو (یعنی اس کی مالکہ کو) کیسے گوارا ہوا۔ وہ کیسا پتھر کا دل رکھتی ہیں + اپنے گھر بار

باشنہز کو چھوڑ جانا تو چنداں تعجب انگیز نہیں۔ مگر اپنے حقیقی اکلوتے بیٹے کو خصوصاً اتنے چھوٹے بچے کو اس طرح ہمیشہ کو چھوڑ دینا۔ واقعی بڑی ہی بُری طبیعت کی ماں کا کام ہے +

بیچاری لوسی کو آج کل کے نئے مذہب اور اس کے نئے اخلاقی اصولوں کا کوئی حال معلوم نہ تھا۔ اگر وہ ان سے آگاہ ہوتی۔ تو شاید وہ منسٹر ویلیس کورٹ کے اس فعل کو ایک نہایت عمدہ مثال نیکی اور پاک دامنی کی خیال کرتی۔ مگر اس کے تو وہی جاہلانہ خیالات تھے۔ وہ ماں کے فرائض کو بڑا اہم خیال کرتی۔ اور سمجھتی تھی کہ محبت مادری قدرت کا ملکہ کا ایک سب سے پہلا قانون ہے + وہ اس پہلو سے نگاہ ڈال رہی تھی کہ اسے اپنی مالکہ کا یہ فعل پر معصیت معلوم ہوا + شاید اگر جاہل نہ ہوتی۔ تو کچھ اور خیال کرتی +

اسی اثنائیں ڈاکٹر ہارٹلی کو عالم پروفیسر کیپٹن منگور سے مصافحہ کرنے کی عزت حاصل ہوئی۔ مگر تعجب ہے۔ کہ انہوں نے اس میں اتنی عزت افزائی نہ سمجھی۔ جتنی مسٹر ویلیس کورٹ کا خیال تھا۔ بلکہ یہاں تک جرات کی۔ کہ ان سے کوئی پندرہ منٹ علیحدہ بات چیت کرنے کی اجازت چاہی + مسٹر ویلیس کورٹ کچھ چڑکر باہر نکل گئے۔ اور ذرا سی دیر بعد ڈاکٹر صاحب گھر تشریف لے گئے +

لائسنل دیر تک غافل سویا رہا، سہ پہر کا وقت تھا۔ چار بجنے کو تھے۔ کہ لوسی نے آکر آہستہ سے جگا یا۔ اور تھوڑا سا شر واپلا دیا۔ وہ بڑی کوشش سے بنا کر لائی تھی چنانچہ لائسنل کو یہ بڑا مزے دار معلوم ہوا +

”تم نے بڑا اچھا شر واپلا دیا ہے۔ کیا اس میں کوئی نئی چیز ڈالی ہے؟“ لائسنل نے

پوچھا +

یہ فقرہ سننے ہی لوسی کی آنکھیں پھر بھرائیں۔ اور ٹالنے کو بولی: ”مجھے کچھ زکام ہو رہا ہے۔ ماسٹر لائنل یہ مکان بڑا مرطوب ہے۔ اور دیکھو تمہیں ایک نئی بات سناؤں تمہیں وہ فقیر باد ہے۔ جسے دیکھ کر تم ڈر گئے تھے۔ آج وہ تمہارے لئے بہت سے پھول دے گیا ہے۔ رہا تھ سے اشارہ کر کے، وہ رکھے ہیں۔ بڑے اچھے تازہ پھول ہیں۔ مس مین کو اس نے تمہیں گود میں لاتے دیکھا تھا۔ وہ بے وقوف کچھ کا کچھ سمجھ گیا۔ وہ بڑی دیر تک مجھے پکارتا رہا۔ میں سمجھی نہیں۔ پھر غور کیا۔ تو سنا۔ کہ چھوٹے بچے کے لئے میں“

لائنل ہنسا۔ ارے وہ سمجھا ہوگا۔ کہ میں مر گیا ہوں۔ اور اس لئے پھول لایا ہوگا۔ ”بیچارہ فقیر اس کی صورت تو بڑی ڈراؤنی ہے۔ مگر دل کا اچھا ہے۔ اور صورت کو وہ کیا کرے؟“

لوسی نے تائید کی: ”ہاں وہ غریب کیا کرے۔ اور پھر ہمارے اندامیاں ہماری صورت کا خیال نہیں کرتے۔ دل کا ہی کرتے ہیں۔“

یہ سننے ہی لائنل کے دل پر رنج و الم کی گھٹا چھا گئی + اسے فوراً اپنی ماں کا خیال آیا۔ کیا واقعی اندامیاں ہیں۔ جوان کے بھی نگہبان ہوں گے۔ یا حضرت ذرہ عظیم دنیا کے مالک ہیں۔ جن کو کسی بات کی تیز نہیں۔ نہ کسی کی زندگی اور موت کی پرواہ ہے۔ نہ کسی کی خوشی اور غم کی + اے کاش! واقعی ہمارا مالک رحم دل اور خطاؤں سے درگزر کرنے والا خدا ہوتا۔ تو میں یہ گھٹنے ٹیکتا۔ اور بارگاہ الہی میں ہاتھ جوڑ کر نہایت خضوع و خشوع سے دعا مانگتا۔ کہ یا رحیم۔ میری بچھڑی ہوئی۔ گنہ گار۔ افسردہ دل۔ مگر پیاری اور خوبصورت

ماں کا نگہبان ہونا۔ اور ایک دن ایسا بھی لانا۔ کہ میں پھر ان سے مل سکوں + ۔۔۔
مگر اس کو دیر تک ان باتوں پر غور کرنے کی فرصت نہ تھی۔ کیونکہ اوسے جلدی
جلدی اسے سفر کے کپڑے پہنا رہی تھی +

لائسنل تبدیل آب و ہوا کے لئے جاتا ہے

لائسنل بڑی کوشش کر کے اپنی دہلی کمزور ٹانگوں کے سہارے کھڑا ہوا ہی تھا۔
کہ سامنے دیکھا۔ کہ پروفیسر کیڈ منگور بہت سے گرم کپڑوں میں پلٹے ہوئے دہلیز کے
پاس کھڑے ہیں۔ مگر ان کے چہرے پر ایک نرالا مبیٹھا تبسم ہے۔ جو ان کی بھیانک
صورت پر بھی کسی حد تک بھلا معلوم ہوتا ہے + انہوں نے بڑی محبت سے کہا: ”اچھا۔
تم کھڑے میٹے ہو۔ اب طبیعت کیسی ہے؟

”پہلے سے اچھا ہوں۔ صرف سر چکراتا ہے +“

”صرف اتنی ہی شکایت ہے۔ تو جلدی ہٹ جائے گی +“

پروفیسر صاحب نے نئے طریقوں سے لائسنل کا جی بہلانے کی کوشش کرنے
لگے۔ زمین پر بیٹھ کر بولے: ”تم بیٹھ پر چڑھنا جانتے ہو؟
لائسنل تعجب سے دیکھنے لگا۔ اور بولا: ”کیوں نہیں؟ میں کبھی چڑھا تو نہیں۔ مگر
چڑھ سکتا ہوں +“

”اچھا تو آؤ چڑھو۔ زور سے پکڑے رہنا۔ میں تمہیں اسی طرح گاڑی تک لے

چلوں گا +“

لائسنل یہ سن کر حیرت سے سکتے میں رہ گیا۔ اور واقعی پروفیسر کیڈ منگور کا یہ کہنا۔

جو حقیقت دانائی کے ادتار اور علیت کی چلتی پھرتی مجسم تصویر تھے۔ بہت ہی تعجب خیز تھا۔

”کیا واقعی آپ سچ کہتے ہیں؟“

”ہاں! ہاں!! آؤ۔ جلدی سے چڑھ جاؤ۔“

لائسنل یہ سنتے ہی بڑی پھرتی سے اُن کی پیٹھ پر چڑھ گیا، اُستاد اور شاگرد جلدی سے نیچے اُترے۔ اور گاڑی کے پاس پہنچے۔ پروفیسر کیڈمنگور نے لائسنل کو پیٹھ سے اُتار کر نرم نرم تکیوں پر لتا دیا۔ اور دو شالوں سے ڈھک دیا۔

”وہی جلد جلد سفر کا سامان گاڑی میں رکھنے لگی۔ کسی ایک نوکر اُس پاس کھڑے تھے۔ جب گاڑی چلی۔ تو لوسی پیچھے سے چلائی۔ ماسٹر لائسنل خوب موٹے ہو کر آنا۔“
 ٹھوڑی ہی دیر میں تیز رفتار گھوڑے انہیں گھر سے کئی میل دور لے گئے۔ لائسنل بالکل خاموش تھا۔ صرف کبھی کبھی چپکے سے ایک نظر پروفیسر کیڈمنگور پر ڈال دیتا تھا۔ جو اس وقت چاروں طرف کی خوش نما چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔ مگر قدرتی مناظر کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر نہیں۔ صرف اسی انداز سے کہ ایک سائینس دان جو ہر چیز کی بنیاد اور نشوونما پانے کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ دیکھ سکتا ہے۔

”ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟“ آخر کار لائسنل نے آہستہ سے پوچھا۔

”کلوولی جاتے ہیں۔ مگر آج نہیں، آج صرف الفریکیو جا کر ٹھہر جائیں گے۔“

”کیا میرے آبا بھی آئیں گے؟“

”نہیں ان کو کوئی ضروری کام ہے۔ وہ دس بارہ روز کو لندن جاتے ہیں۔“

”ہم بھی ان کے واپس آنے تک لوٹ آئیں گے۔“

لاٹل کو اس وقت بھی اپنی ماں یاد آرہی تھی۔ اور اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اس نے فوراً اپنا منہ پھیر لیا۔ اور سمجھا۔ کہ شاید اس نے پروفیسر سے آنسوؤں کو چھپا لیا ہے۔ مگر اس کا خیال غلط تھا۔ کیونکہ انہوں نے اس کی بھری ہوئی آنکھ فوراً دیکھ لی تھی۔ اور میں حیرت سے کہتی ہوں۔ کہ ان کا دل بھی اس درد آمیز منظر سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے اکثر بے گناہ جانوں کو بے رحمی سے زخمی کیا تھا۔ اور سائینس کی کوئی نئی ایجاد کرتے ہوئے۔ بہتیری چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو درد سے کراہتے سنا تھا۔ لیکن رحم نے ان کے دل پر کبھی سایہ بھی نہ ڈالا تھا۔ تاہم ایک معصوم۔ افسردہ دل بچے کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے وہ پتھر کا دل بھی اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہا۔

اسی اثنا میں مسٹر ویلسکوٹ اپنے کمرے میں تن تنہا بیٹھے ہوئے۔ لندن کے بعض دیکھوں کو خط لکھ کر بیوی سے علیحدگی حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چھٹی لکھ کر ختم کی۔ تو بی بی کا الوداعی خط پھر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

”میں آج آپ کو بغیر افسوس۔ بغیر کسی قسم کی شرم یا ندامت کے الوداع کہتی ہوں۔ آپ نے زندگی میرے لئے دبا ل کر دی ہے۔ میرے تمام اعتقادات مٹا دئے۔ خدا سے منکر کیا۔ مجھے بے دین بنایا۔ میری آرزو میں خاک میں ملائیں۔“

میں سر چارلس لیس کے ساتھ جاتی ہوں۔ میرا ارادہ اس سے شادی کرنے کا ہرگز نہیں ہے۔ صرف سال بھر اس کے پاس رہوں گی۔ اس کے بعد میرا کیا حشر ہوگا؟ میں نہیں جانتی۔ نہ مجھے معلوم کرنے کی خواہش ہے۔ شاید میں خودکشی کروں۔ یا اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے کوئی اور طرز زندگی اختیار کروں۔

”بہر حال مجھے از بس مسرت ہے۔ کہ میں تمہیں رنج دیتی اور بدنام کرتی ہوں۔ تمہاری

زندگی کا اصول صرف خود غرضی ہے۔ میری زندگی کا اصول کیا ہے؟ میرے اس فعل سے ظاہر ہے، اگر کوئی بات مجھے تمہارے ساتھ رہنے پر مجبور کر سکتی۔ تو صرف بچے کی محبت۔ مگر تم نے اسے بھی مجھ سے چھین لیا۔ اور اب تو ہر روز نئی رکاوٹیں اس کے اور میرے درمیان حائل ہوتی جاتی ہیں، اب بھی جو تھوڑا بہت انسانی دل میرے پہلو میں ہے۔ میں لائل کو دئے جاتی ہوں، میری عادات اور خصایل بھی اس میں موجود ہیں۔ وہ ابھی سے تم سے باغی ہے۔ اور وہ وقت آئے گا۔ کہ وہ بھی اسی طرح تمہیں چھوڑ جائے گا، کاش وہ جلدی بھاگنے کا قصد کرے۔ اور تمہارے ظلم و ستم سے بچے۔

مجھے کامل یقین ہے۔ کہ خدا ہو۔ یا نہ ہو۔ تم ان نیکیوں اور مہربانیوں کا پھل اچھی طرح پاؤ گے۔ جو تم نے مجھ سے کیے۔

ہلن ویلسکورت

مسٹر ویلسکورت نے مکرر اور سہ کرر خط کو پڑھا۔ اس کا خلاصہ ان کے دل میں کھب گیا، آدھی رات کو یہ فقرے کہ میری عادات و خصایل لائل میں موجود ہیں۔ ان کو یاد آئے، تھوڑی دیر کے بعد گرسی سے اٹھے۔ اور منہ ہی منہ میں کہنے لگے۔ رو نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ اس کم نعت کا کیا ہے۔ اپنی عزت خاک میں ملائے۔ یا گلی کے کیچڑ میں مل جائے۔ مگر لڑکا میرا لڑکا ہے۔ میں اس کے خصایل اس میں سے نکال ڈالوں گا۔ اور اپنی مرضی کے مطابق بناؤں گا۔

چھٹیوں میں لائنل کے شغل

کلوولی کے ایسے سرسبز خوب صورت اور پُر فضا چھوٹے سے گاؤں میں بھی جس کو قدرتِ کاملہ نے اس قدر خوب صورتی بخشی تھی۔ کہ ایک ایک کو نہ صانعِ حقیقی کے کمالات کا شاہد تھا۔ جو کسی زمانے میں رشیوں اور جہاتاؤں کے لئے پریش کا مقام تھا۔ جہاں جا کر جادو بیان شاعر اور باکمال مصور ہالفِ غیبی سے ہم کلامی کی عزت حاصل کرتے۔ اب انسان کے تباہ کن ہاتھ پہنچ چکے تھے + ہوٹلوں کی کثرت کا نوڈ کر ہی کیا کہیں کہیں مے خانے بھی نظر آتے۔ اور اس خوش نما مقام کی۔ جسے فردوسِ بر روئے زمین کہیں تو بے جا نہ ہو۔ دل فریبی میں خلل انداز ہوتے تھے + قدرتِ کاملہ ہر چند خواہش کرتی۔ کہ اپنا وہی حُسن و جمال بنائے رکھے۔ اور موزی انسان کے بے رحم ہاتھوں سے بچے۔ مگر بے کار + البتہ کہیں کہیں کوئی قطع زمین ایسا ہی خوش نما اور پاکیزہ نظر آتا۔ جیسا پیشتر تھا۔ مگر وہ بالکل ایسا معلوم ہوتا۔ گویا ایک چھوٹوں کا ہار کسی کی بے توجہی سے ایک عظیم الشان پہاڑ کی چوٹی پر پڑا رہ گیا ہو +

لائنل کلوولی میں عجب طرح کی زندگی بسر کر رہا تھا + یہ دونوں استاد اور شاگرد ایک چھوٹے سے پُرانے اور نہایت نستہ مکان میں فروکش تھے جس کی دیواروں پر جا بجا شق پڑے ہوئے صاف بتا رہے تھے۔ کہ یہ عمارت متواتر زلزلوں کے دھکے کھا چکی ہے۔ تاہم وہ سب کمرے اپنی وضع کی ایک نرالی خوب صورتی لئے ہوئے تھے + ان کی مالکہ نہایت اعلیٰ مذاق اور نفیس طبیعت کی عورت تھی۔ صحت اور صفائی کا اسے بہت ہی خیال تھا۔ چنانچہ ہر اک کمرہ نہایت ہی صاف ستھرا رکھتی۔ پلنگ بھی

گروٹا میں پھولوں کی خوشبو سے مہکے ہوئے ہوتے۔ جیسی کہ ہوا کے جھونکے تک چنبیلی کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے (جس کی بیلین کھڑکیوں پر تھیں) معطر ہوتے۔ وہ ہر وقت اپنے ان دونوں مہانوں کی خاطر تواضع میں مصروف رہتی۔ عالم پروفیسر کیڈنگور کی تہ دل سے عزت کرتی۔ اور لائل کے شایستہ اور حلیم طرز و طریق نے تو اس کا دل بالکل ہی تسخیر کر لیا تھا۔ وہ ہمیشہ اسے پیارا چھوٹا بچہ کہا کرتی۔ یہ نیا نام سن کر لائل کو حیرت ہوتی۔ اور وہ سوچتا۔ کیا میں واقعی اتنا ہی چھوٹا ہوں۔ اس خیال سے اُتے ہی اسے اپنی ماں کے الوداعی فقرہ یاد آ جاتا۔ اور وہ خیال کرتا۔ کہ ہاں میری اماں نے بھی تو مجھے بچہ ہی کہا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ افسردہ ہو جاتا۔ اور اسے تاب نہ رہتی تھی۔ کہ وہ اپنی بچھڑی ہوئی ماں کی اس صورت اور حالت کو جس طرح وہ اسے الوداع کہتے ہوئے ملی تھیں۔ دیر تک خیال میں رکھ سکے۔ وہ حسرت سے سوچا کرتا۔ کیا واقعی وہ مجھ سے آخری ہی دفعہ ملی تھیں۔ کیا میں ان سے پھر نہیں مل سکتا؟

لائل کو ان باتوں پر سوچنے اور غور کرنے کی اب ہر وقت فرصت تھی۔ پروفیسر کی ہر بانیاں اس کے اوپر دن بہ دن بڑھتی جاتی تھیں۔ اور اس نے اُسے پوری اجازت دے دی تھی۔ کہ جہاں چاہتے جائے۔ اور جو چاہے کرے۔ لائل کا ننھا دل ان کی اس غیر معمولی توجہ اور مہربانی سے بھر آتا تھا۔ اس کی شکر گزاری اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں سے ظاہر ہوا کرتی۔ مثلاً وہ بڑی احتیاط سے ان کی ٹوپی پر برش کر کے اُن کے پہننے کو لاتا۔ باہر جانے کے پیشتر ان کے دستانوں کی جوڑی اچھی طرح صاف کر کے میز پر رکھ دیتا۔ پھولوں کا گلہ سہ بنا کر ان کے شانہ پر لگا دیتا وغیرہ۔ پروفیسر صاحب نے پہلے تو ذرا تعجب اور خوشی سے ان باتوں کو قبول کیا۔ پھر روز ہی منتظر رہنے لگے۔ اور انہیں تھوڑے

سے دنوں میں ان کی طبیعت لائل سے اس درجہ مانوس ہوگئی۔ کہ وہ اپنی بچپن کی مدتوں سے بھولے ہوئے قصے کہانیاں یاد کرنے کی کوشش کرتے۔ اور جب بڑی مشکل سے کوئی حکایت یاد آجاتی۔ تو لائل کا جی بہلانے لگا۔ اسے سنایا کرتے۔ + ایک روز انہیں خیال آیا۔ کہ میں سائیکہ (Psyche) اور کیوپڈ (Cupid) محبت کے دیوتا کی مشہور حکایت اسے معمولی قصہ کے پیرایہ میں سناؤں۔ دیکھوں بچے پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے + یہ دونوں ایک سرسبز مقام پر جہاں سے درختوں کی قطار کے پیچھے سرسبز پٹیوں میں سے سمندر کی سطح ہیرے کی طرح چمکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ بیٹھے تھے + پروفیسر صاحب ذرا نرم آواز سے کہانی کہنے لگے۔ کہ سائیکہ بڑی ہی خوشی سے زندگی بسر کیا کرتی تھی۔ مگر ایک روز اس کا جی چاہا۔ کہ اپنے دیوتا کی صورت پر چشم خود دیکھے۔ چنانچہ یہ اس ارادہ سے اٹھی ہی تھی۔ کہ روشنی غائب ہوئی۔ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ اس کا دیوتا غائب ہو گیا۔ اور اب سائیکہ بیچارہ کیلی رہ گئی۔ اور کیا تعجب ہے۔ شاید وہ اب تک اس کھوئے ہوئے جمال کو جسے وہ جانتی تو ہے۔ مگر دیکھ نہیں سکتی۔ ڈھونڈ رہی ہو +

لائل بغور سنتا رہا۔ پھر بولا۔ اچھی کہانی ہے۔ اور اس کے بڑے گہرے مطلب ہیں + سائیکہ کو اپنے دیوتا کا حال معلوم نہیں تھا۔ اور وہ جاننا چاہتی تھی۔ اسی طرح ہم سب بھی ذرہ عظیم کے حالات معلوم کیا چاہتے ہیں۔ مگر موت اس قدر جلدی آجاتی ہے۔ کہ معلوم نہیں کر سکتے + پروفیسر کیڈ منگور اس کی سب دلیلیں چپ لگا کر سنتے رہے۔ اور لائل بہت دیر تک اسی طرح گفتگو کرتا گیا۔ وہ یہ باتیں کر رہا تھا۔ اور کیڈ منگور سوچ رہے تھے۔ کہ اس بچے کو مذہبی تعلیم سے بے بہرہ رکھنا کتنا بڑا گناہ ہے +

چھٹیوں میں لائل اکثر سمندر کے کنارے جایا کرتا تھا۔ ماہی گیر اسے اپنی کشتیوں پر سوار کر کے پیر کو لے جایا کرتے۔ وہ اسے بڑا پیار کرتے۔ اور اکثر اسے ڈوبے ہوئے جہازوں کے بقیے سُناتے۔ لائل ان مصیبت کے مارے ڈوبنے والوں کی تکالیف کا حال جو نہایت پاس اور حسرت سے کسی ٹوٹے ہوئے تختہ یار سے کو پکڑنے کی کوشش میں جان بحق ہو جاتے تھے۔ مرن کر بڑا ہی ملول ہو جاتا تھا۔

ایک شام کو وہ ٹہلتا ٹہلتا حسب معمول کنارے پر پہنچا ہی تھا۔ کہ کسی جھونپڑی کے پاس اسے ماہی گیروں کا ایک گروہ عظیم نظر آیا۔ یہ سب گھبرائے۔ اور سمجھے ہوئے اندر دیکھ رہے تھے۔ یہ آگے بڑھا ہی تھا۔ کہ ایک شخص نے اشارے سے اسے واپس جانے کو کہا، اس نے گھبرا کر پوچھا ”کیا ہوا۔ کیا کوئی ڈوب گیا ہے؟“ نہیں کوئی ڈوبا نہیں۔ کوئی گلے میں پھانسی ڈال کر مر گیا ہے۔ اس کی بھیانک صورت تمہیں نہ دیکھنی چاہئے۔“

لائل نے حیرت سے چونک کر پوچھا ”پھانسی! وہ کس طرح ڈال سکا؟“
 ”اس میں کیا مشکل ہے؟ اگر کوئی رستا یا رومال پاس ہو۔ تو اس سے آسان اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس کے پاس ایک لمبا سا رومال تھا۔ اس کا پھندا بنا کر اس نے اپنے گلے میں ڈالا۔ اور چھت کے گنڈے میں لٹک گیا۔ بس! اور پھانسی میں کیا ہوتا ہے؟ مگر تم یہاں مت رہو۔ اور واپس چلے جاؤ۔ سمندر میں آج زور بہت ہے۔ اور تم کشتی پر بھی نہیں جا سکتے۔“

لائل خاموش آہستہ آہستہ گھر کی طرف قدم ٹبرھانے لگا۔ مگر یہ خبر سنتے ہی اس کا دل ملول ہو گیا تھا۔ اور وہ راستہ بھرا اس خود کشی کرنے والے کی چھت سے ٹکی ہوئی

لاش تصور و خیال میں دیکھ رہا تھا + یہ گھر پہنچا۔ تو پروفیسر اس کا اُترا اور کھلایا ہوا چہرہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اور پوچھنے لگا: ”آج تمہیں کیا ہوا؟ تمہاری صورت پر اتنی اُداسی کیوں ہے؟ تم کہاں گئے تھے؟“

لائل نے رکتے رکتے کہا: ”خبر نہیں۔ شاید... اس پھانسی والے آدمی نے میرا جی خراب کیا ہے؟“

پروفیسر نے چونک کر پوچھا: ”کون پھانسی والا آدمی؟ اس پر لائل نے سارا حال کہ سنایا + پروفیسر کیڑ منگور کو کچھ اطمینان ہوا۔ کہ کم از کم ان کے ننھے شاگرد نے اس کی صورت تو نہیں دیکھی + انہوں نے جواب دیا: ”اوہ پھانسی سے تو آدمی بہت جلد بلا تکلیف مر جاتا ہے۔ شاید وہ آدمی روپید کی کمی سے تنگ آ کر مر گیا ہو۔“

”مگر کیسی درد انگیز بات ہے۔ کہ اس بیچارہ کا دُنیا میں ایک بھی دوست نہ تھا۔ جو اس کی مدد کر کے اس کی جان بچا لیتا۔“

پروفیسر نے ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے + مگر موت ہی تو سب سے بُرا عذاب نہیں ہے۔ بہت لوگ دُنیا میں ایسے بھی ہیں جو موت کو زندگی پر ترجیح دیتے۔ اور وقت سے پہلے مرنا قبول کرتے ہیں + یہ شخص بھی جس کا تم ذکر کرتے ہو۔ شاید اسی طرح زندگی سے بیزار ہو گا +

لائل خاموش رہا۔ اور اس نے پھر کبھی بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور شاید اسی وجہ سے اس ہیبت ناک واقعہ کا بُرا گہرا اثر اس کے دل پر رہا +

کلوولی سے واپسی

یہ دو ذاب تقریباً پندرہ روز کلوولی میں بسر کر کے گھر واپس جا رہے تھے لائنل کی صحت پر تبدیل آب و ہوا اور کھیل کود کا اثر ضرور بہت کچھ ہوا تھا۔ تاہم اس کا چہرہ ویسا ہی زرد تھا۔ اور آنکھوں سے وہی حسرت ٹپکتی تھی۔ اس کو اپنی ماں کی یاد اور جدائی کا صدمہ ابھی تک تازہ تھا۔ مگر پھر بھی کچھ صبر آ گیا تھا۔ اور اس نے پروفیسر پر اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا تھا۔ کہ اب گھر پہنچتے ہی پڑھائی بڑی محنت سے شروع کروں گے۔ مگر انہوں نے اس تجویز کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہ کی۔ اور جواب دیا: ہاں تھوڑا تھوڑا پڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں۔ مگر سارا کورس ابھی ایک دم شروع نہیں ہو سکتا۔ کل صبح بھی تم گھومنے جانا۔ جس طرح کلوولی میں جایا کرتے تھے۔ اور تمہاری طبیعت چاہے تو کوئی کتاب ساتھ لیتے جانا۔ مگر بہت محنت کرو گے۔ تو پھر بیمار ہو جاؤ گے۔

لائنل یہ سن کر خوش ہوا۔ اور سوچنے لگا۔ کہ کل جب میں ڈھیل سے ملنے جاؤنگا۔ وہ مجھے دیکھ کر کتنی خوشی ہوگی۔ اس کا گلاب سا شرح شرح چہرہ ہنستا ہوا کتنا پیارا لگیگا۔ دو تین گھنٹے ہم کھیلیں گے۔ یہ سوچ ہی رہا تھا۔ کہ گاڑی گھر کی طرف کوٹھی۔ اور وہ واقعی خوشی سے اندر داخل ہوا۔ مشرویل سکورٹ لندن سے واپس آگئے تھے۔ لائنل نے ڈرتے ڈرتے ہاتھان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے صرف الجھنیاں ہی چھو کر کہا۔ ”غنیمت ہے۔ تم پھر اچھے ہو گئے لائنل۔ پھر پروفیسر کی طرف مخاطب ہوئے۔ کئی آپ کا جی تو نہیں لگتا یا“

دوسرے دن کہ بڑی ہی سہانی صبح تھی۔ بہر طرف سبزہ اور ہر سمت گلزار تھا بسیم
 سحر کے خوش گوار جھونکے پھولوں سے اٹھیلیاں کر رہے تھے۔ اور ہر چیز کو آفتاب عالم
 تاب کی کرنیں چمکائے ہوئے تھیں۔ لائٹل نے اپنے اُستاد سے چھٹی کی درخواست کی۔
 اور لاطینی کی صرف و نحو ساتھ لے جانے کی تجویز پیش کی۔ مگر پروفیسر نے منع کیا۔ اور جاب
 دیا۔ کہ "نہیں آج کیا ضرورت ہے۔ آج تم جاؤ۔ اور خوب جی بھر کے کھیلو۔ کل سے تھوڑا
 تھوڑا کام شروع کرنا، لائٹل نے بڑی مسرت سے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور دوڑتا ہوا نیچے
 اتر کر چشم زون میں باغ تک پہنچ گیا؛ آج اس کا دل غیر معمولی طور پر خوش تھا۔ مگر کیوں
 کیا اس کی حالت میں کوئی فرق آگیا تھا؛ کیا وہ اب تک وہی بچہ نہیں تھا جس کو ماں
 نے اس قدر بے رحمی سے جیتے جی ہمیشہ کو چھوڑ دیا تھا؛ کیا وہ اب تک وہی بچہ نہیں
 تھا جس کا اتنی بڑی دنیا میں ایک بھی بہرہ و غمگسار نہ تھا؛ کیا اسے اپنی ماں کی جدائی
 اور بدنامی کا صدمہ بھول گیا تھا؛ نہیں تہرگز نہیں۔ اس کی طبیعت ہی ایسی نہ تھی۔ مگر
 آخر تو وہ ۱۱ ہی سال کا کم سن بچہ تھا۔ اور آج اتنے خوش نما منظر اور سہادانی صبح میں جو
 نہایت ضعیف۔ بیمار اور بوڑھے دلوں پر بھی اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ یہ بھی اُداس نہ
 رہ سکا۔ چنانچہ اس نے بڑی بے تابی اور شوق سے اپنے گھر کا پھاٹک کھولا۔ اور
 اسی پرانے قبرستان کی طرف قدم بڑھایا۔ جہاں اسے ایک دفع پہلے جیمن اور اس کا
 والد سٹروئیل ملے تھے *۔

جیمن مرگئی

اس وقت وہ ہزاروں منصوبے بانڈھ رہا تھا۔ پروفیسر کیڈنگور سے اس کی

طبیعت اب خاصی مانوس ہو گئی تھی۔ اور یہ سوچ رہا تھا۔ کہ میں اپنے آبا سے کہہ کر انہیں کی زیر نگرانی یعنی ان کے اپنے گھر جا کر، تعلیم جاری رکھوں + یہ تو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ کہ ویسکورٹ اسے کبھی کسی مدرسے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اور اسی طرح چیدہ چیدہ اشخاص کے زیر نگرینیت رکھیں گے۔ اس لئے وہ سوچ رہا تھا۔ کہ اگر پروفیسر کیڈ منگور کی شاگردی کئی سال تک کر سکوں۔ تو کیا اچھا ہو۔ اور اگرچہ وہ بھی مجھے اس راز کا حال تو کچھ نہیں بتا سکتے۔ جو میں اس قدر معلوم کیا چاہتا ہوں مگر ممکن ہے۔ وہ رفتہ رفتہ مجھے ایسے راستے ڈال دیں۔ یا ایسا وسیلہ بتادیں۔ کہ میں خود معلوم کروں + اتنے میں اس نے نظر اٹھائی۔ اور دیکھا۔ کہ وہ قبرستان کے پھاٹک تک پہنچ گیا ہے + مسکراتے ہوئے دوڑ کر اس نے پھاٹک کھولا۔ مگر اندر گھٹتے ہی دبے پاؤں آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ کہ اگر عیسین کہیں نزدیک نظر آوے۔ تو اسے پچکے سے پکڑ لے + ریوین ڈیل حب معمول قبر کھودنے میں مصروف تھا + یہ آہستہ آہستہ اس کے بالکل پاس چلا گیا۔ مگر یکایک خوف زدہ ہو کر چونک کر پیچھے ہٹا۔ کیونکہ ریوین سر جھکائے ہوئے نہایت ہی یاس اور حسرت کی حالت میں ایک چھوٹی سی قبر کھود رہا تھا + اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے برابر پانی کی جھڑی کی طرح مٹی کے تودوں اور اس کے پھاٹرہ پر گرتے جاتے تھے + وہ پچاس برس کا عمر رسیدہ آدمی بچوں کی طرح مہکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ اور اس کا یہ اضطراب پتھر سے دلوں کو بھی ہلا داتا تھا + لائٹل کی آنکھوں میں اندھیرا سا آ گیا۔ کانپتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا + "مسٹر ڈیل"..... اس نے کہا..... "اے مسٹر ڈیل"۔ ریوین نے اس کی طرف نگاہ کی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی

تھیں۔ اودان کی حسرت صاف بتا رہی تھی۔ کہ کوئی بڑا بھاری غم۔ کوئی ناگہانی مصیبت۔ کوئی جانگاہ صدمہ اس پیارے پر پڑا ہے + لائل ڈر گیا۔ وہ کچھ قیاس نہ کر سکتا تھا۔ مگر ٹبری گھبراہٹ اور بے تابی سے یہ جاننے کا منظر تھا۔ کہ اس کو کیا ہوا ہے + پھر یکایک ریون نے کہنا شروع کیا۔ اس نے تمہیں بھی پیار کہا تھا۔ میرے بچے... اس نے پیار کہا تھا... اس کے آخری الفاظ یہی تھے۔ لائل کو میرا پیار۔ اور وہ کیسے پیارے انداز سے مسکرائی تھی۔ میں کبھی اس بھولی صورت کو بھول نہیں سکتا۔ ... میری پھول... میری چڑیا... میری پیاری بیٹی... لائل کو میرا پیار کہنا۔ اس نے یہ الفاظ مرنے کے لمحے بھر پہلے کہے تھے +

”مرگئی“... لائل نے کانپتے ہوئے کہا۔ مرگئی... جسین... جسین... مرگئی نہیں... نہیں یہ ہو نہیں سکتا۔ آپ خواب دیکھ رہے ہیں... یہ سچ نہیں ہو سکتا + لائل کانپنے لگا۔ اور ایک زخمی چڑیا کی طرح ریون کی گود میں جا پڑا۔ اور اپنا منہ ریون کے بازو میں چھپا کر زور سے چٹار ہا نہیں... نہیں مری نہیں... یہ مت کہئے۔ پیاری جسین نہیں مری... تم اسے اس گڑھے میں نہیں ڈالو گے + ایک دفعہ تو کہو۔ وہ مری نہیں ہے... کتنی بے رحمی... کتنا ظلم ہے +

ریون ڈیل نے تھوڑی دیر کو اپنے غم کو بھلا کر ہمت باندھی۔ کہ وہ اس غم زدہ معصوم کو جو اس خبر سے قریب قریب پاگل سا ہو رہا تھا۔ تسلی دے + اس نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ اور کہا۔ کیا تم نے نہیں سنا۔ میرے لعل... مگر نہیں۔ میں بھولتا ہوں۔ تم گئے ہوئے تھے۔ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ ہم غریبوں کی مصیبتوں کا ذکر کسی کے کان تک پہنچے + میں ایک روز تمہارے ابا کے مکان پر گیا تھا۔ کیونکہ جسین

بیماری میں برابر تنہا یاد کر کرتی تھی + وہاں میں نے سنا۔ کہ تم کھول لی گئے ہوئے تھے + اس پیاری بچی کو چھوٹا نکل آئی تھی۔ اور صرف چار دن میں لے گئی... مجھ سے جو کچھ ہو سکا۔ میں نے اپنی عزیز بیٹی کی جان بچانے کو کیا، اگر میرے بس میں ہوتا۔ تو میں اس کے بدلے اپنی جان بھی دے دیتا۔ اور بیچارہ ڈاکٹر ہارٹی رات اور دن اس کے پاس رہا۔ مگر بے کار + اس پیارے بھولے سے چہرے کی بچی کے قابل ہم نہیں تھے۔ اور اس لئے خدا نے اسے اٹھالیا۔ مگر مجھ گنہ گار سے یہ صدمہ... یہ دکھ اٹھایا نہیں جاتا + پہلے اس کی ماں اور پھر وہ دونوں جنت کو سدھاریں۔ اور مجھے اکیلا چھوڑ گئیں + روشنی کی طرح وہ میری زندگی میں آئیں۔ اور پرچھائیں کی طرح غائب ہو گئیں + اے خدا رحم کر... مجھے طاقت دے۔ کہ میں سہہ سکوں۔ اور کہوں۔ کہ تیری رضا برتر ہے + اس کا سر لڑکے کے اوپر جو ابھی تک اسے چٹھا ہوا بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ اور درد و غم سے کراہتا تھا۔ چاڑھا، آسمان گرد و غبار سے بالکل صاف تھا۔ ہر جہاں طرف سورج کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس چھوٹی قبر کے گڑھے میں بھی روشن شعاعیں پڑ رہی تھیں +

لائسنل نے یکایک سر اٹھایا + اس کا چہرہ بالکل زرد تھا۔ اس کی سنجیدگی اور سرت نے اسے اس وقت بچے سے بڑھا بنا دیا تھا + تم اسے اب یہاں ڈال دو گے... اس نے ہلکے سے خوف کے لہجے میں کہا... ”نتی جتین کو اس گڑھے میں سلا دو گے... اس کی بھولی صورت اور نیلی آنکھوں کو اس مٹی کے ڈھیر میں چھپا دو گے... یہ تم سے کس طرح ہو گا۔ وہ کس طرح ہنستی تھی۔ اور کیسی کھپتی پھرتی تھی۔ اب نہ وہ کبھی کھیلے گی۔ نہ ہنسنے گی۔ تم اس کو ہمیشہ کے لئے وہاں چھپا دو گے“ یہ کہتے کہتے اس کی

آواز کانپنے لگی اور ہائے! اب ہم اسے کبھی نہ دیکھیں گے۔ جیسین... جیسین؟

بیچارہ ریوین اس کے انتہائے غم کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کہ اسے کس طرح بہلائے

اگرچہ اس غم کا سب سے بڑا حصہ داروہ خود تھا۔ مگر خدا کا بھروسہ اور اس کے اعلیٰ مذہبی

اصول اسے تھامے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے انہیں کے ذریعے لائل کو بھی تسلی

دینی چاہی۔ اس کے سر پر محبت کا ہاتھ پھیر کر بڑی دردناک آواز سے اس نے کہا۔

وہ بیچارے بچے۔ تیری سہیلی واقعی تجھے بڑا چاہتی تھی... مرتے مرتے اس نے

تجھے پیار کہا تھا۔ اور ایک دفعہ جب اسے کچھ یوں ہی سا افاقہ ہو۔ تو اس نے یہ بھی

کہا تھا۔ کہ لائل کو کہنا۔ میں اس سے جلدی ملوں گی۔ اس کے بڑے ہونے کا انتظار

نہیں کروں گی۔ یہی اس بچی کے الفاظ تھے... مگر اس کے ہوش ٹھکانے نہیں

تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ کہ کیا کر رہی ہے۔ تاہم خدا کا شکر ہے۔ اس نے بلا تکلیف

جان دی۔ پوسوں رات اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی بانہیں میری طرف پھیلایں۔ اور

کہنے لگی۔ ابا کیا اچھا سماں ہے۔ پھر مسکرا کر۔ لائل کو میرا پیار اور یہی کہتے کہتے چلی گئی۔

وہ وہاں اپنے چھوٹے تابوت میں پڑی ہے۔ ہم نے اسے ننھی دھن کی طرح

سجایا ہے۔ اور اپنی کبیری کے تمام پھول آخری دفعہ اسے پہنانے کو نوج ڈالے۔ کیونکہ

ہم مصیبت کے ماروں کو ان پھولوں کی اب کیا ضرورت ہے۔ جب وہ ہی نہیں۔ جس کے

دم سے ہمارا گھر آباد تھا۔ نو پھولوں کو کیا کریں؟

اتنا کہتے ہوئے آنسوؤں کی جھڑی نے اس کی آواز بند کر دی۔ مگر لائل کی آنکھیں

ابھی تک خشک تھیں۔ اس نے بے تابی سے اس کی گود سے نکل کر ایک دو قدم آگے

بڑھائے۔ اور اس چھوٹے گڑھے کے قریب گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ اس گڑھے میں اس

نے منہ ہی منہ میں کہنا شروع کیا یہ جیسین.... اس گڑھے میں؟ ریون نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ نہیں میرے نپتے پر نہ خیال کر۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ دیکھ آسمان کی طرف دیکھ کر وہاں وہ خدا کے پاس ہے۔ جیسین اس وقت جنت کے فرشتوں کے ساتھ ہے۔ اور یہی بہتر ہے۔ کہ وہ وہاں رہے۔ ہم لوگ عقل کے اندھے ہیں۔ اور اس کی حکمت سمجھ نہیں سکتے۔ مگر یقیناً وہ سب کچھ ہمارے بھلے کو کرتا ہے، شاید اس نے اس پھول سے بچی کو دنیا کی کڑی منزلوں کے قابل نہ دیکھا۔ اس لئے اسے وقت سے پہلے اپنے پاس بلا لیا۔ اور میں جیسین کو یہاں نہیں سلاؤں گا۔ صرف اس کا جسم یہاں رہے گا۔ مگر وہ بھی کتنا خوب صورت ننھا کیسی پیاری شکل تھی۔ اے میری گڑیا تو کتنی اچھی تھی؟ پھر لائسل کی طرف مخاطب ہو کر مگر جیسین ابھی ہے۔ اور بڑی اچھی جگہ۔ ایسی جگہ ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ بڑے آرام سے رہے گی، وہ دونوں ماں بیٹیاں خدا کے پاس ہیں۔ اور تھوڑے دن میں بھی ان سے جا ملوں گا۔ پھر مجھے معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان کو مجھ سے چھڑا لینے میں اس کی کیا حکمت تھی... اگر یہ ابھی یہ جدائی سی نہیں جاتی؟ لائسل نے اس کی طرف دیکھا۔ اور بولا تم ان باتوں کے معتقد ہو۔ مگر تمہارا خیال غلط ہے۔ یہ سب وہم اور وسوسا ہے۔ فرشتے کچھ نہیں ہوتے۔ نہ خدا کوئی چیز ہے۔ تم جیسین کو یہاں ڈال دو گے۔ اور اسے مٹی کے تودوں سے ڈھک دو گے۔ بہت تھوڑے دن میں کیڑے اس کے چھوٹے چہرے پر رہینگا کریں گے۔ اس کے بالوں میں اپنا گھر بنائیں گے۔ اور اس کی صورت ایسی کر دیں گے۔ کہ تم بھی دیکھ کر ڈر جاؤ گے۔ یہ کہتے ہوئے وہ زور سے کانپنے لگا۔ ایسی حالت میں بھی تم خدا کا ذکر کرتے ہو۔ وہ خدا جس نے جیسین کو تم سے چھین لیا۔ کیسا ظالم اور بے رحم ہے، ایک دفعہ اسے تمہیں دے

کر پھیلے لینے میں کوئی راز نہیں ہو سکتا۔ تم نے کبھی کچھ پڑھا نہیں ہے۔ خدا کوئی چیز نہیں۔ دنیا کا بانی تو صرف ایک ذرہ ہے۔ جو کچھ سمجھ نہیں سکتا +

ریون نے خوف اور غم سے بے خود ہو کر خیال کیا۔ کہ لڑکا پاگل ہو گیا ہے۔ اور چاہا کہ اسے پھر اپنی گود میں لے لے۔ مگر لائل پیچھے ہٹ گیا۔ اور کانپتے ہوئے اس کا ہاتھ ہٹا دیا، وہ لائل کو جو اس وقت بالکل شدید غم والی اور مایوسی کی مجسم تصویر بنا کھڑا تھا۔ دیکھنے لگا۔ شاید اگر یہ رو سکے۔ تو اس کا غم غلط ہو، یہ سوچتے ہی اسے کچھ خیال آیا۔ اور اس نے کہا "چلو ایک دفعہ جبین کی صورت دیکھ لو۔ وہ وہاں پھولوں میں لدی ہوئی سوئی پٹری ہے۔ اس کی صورت ایسی ہی پیاری ہے۔ جیسی اس وقت تھی۔ جب وہ تم سے کھیلنے جاتی تھی چلو گے؟"

لائل نے کچھ تند آواز میں زور سے جواب دیا۔ نہیں میں نہیں دیکھ سکتا۔ تم بھول گئے۔ میں آج اس کی جیتی صورت دیکھنے آیا تھا۔ اس سے کھیلنے آیا تھا۔ اس خیال میں میں کس قدر خوشی تھا۔ مگر بسے وہ اس وقت بھی مری پٹری تھی نہیں۔ میں اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے اس قبر اور ان کیڑوں کا خیال سہا دینا ہے۔ اور اس پر بھی تم کہتے ہو۔ کہ خدا نے اسے اٹھا لیا؟ اتنا کہتے ہی لائل نے اپنی دونوں ہاتھیں اونچی کیں۔ اور بڑے زور سے بھاگا۔ مگر اپنے گھر کی طرف نہیں۔ بلکہ ان چھوٹے ٹیلوں کی جانب جہاں سرسبز درخت تیز سے تیز دھوپ میں بھی سایہ کئے رہتے ہیں + ریون اس کی طرف کچھ خوف اور کچھ تعجب سے دیکھتا رہا +

"خدا تجھ پر رحم کرے" اس نے آپ ہی آپ کہا۔ غم سے وہ بالکل پاگل ہو رہا ہے۔ اور علاوہ میری بچی کی موت کے کوئی اور بات بھی ہے۔ جس نے اسے اس قدر

لہدمہ پہنچایا ہے؟ ہاں! مجھے خیال آیا۔ اس کی ماں بھی تو اس سے جدا ہو گئی۔ اور
 جیتے جی یہ بدنامی کی جدائی موت کی جدائی سے بہت زیادہ رنج و دہ ہے۔ اچھا خیر +
 پھر اپنا پھا ڈرا اٹھا کر وہ دوبارہ اپنے اس جانکاہ کام میں مصروف ہو گیا۔
 اور اپنی پیاری بھولی بھالی بیٹی کی قبر کی دیواروں کو بڑے خیال سے صاف کرنے
 لگا۔ عمر سیدہ بڑھے آدمیوں سے صدمے نہیں اٹھائے جاتے۔ ریوین سوچنے
 لگا۔ پھر بھلا اس بچہ کی کیا حقیقت ہے۔ وہ صدمہ سے پریشان ہو رہا ہے۔ اور اسے
 اتنی سمجھ نہیں۔ کہ خدا کی حکمت کا خیال کرے + اچھا۔ مالک حقیقی ہم گنہ گاروں کی خطاؤں
 سے درگزر کرے + اے جیسین... جیسین میری پیاری بچی۔ میری پھول۔ مجھے نہیں
 معلوم تھا۔ کہ خدا تجھے اس قدر جلدی بلائے گا + پھر موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں
 سے بہنے لگے۔ اور انہوں نے اس کی نظر دھندلی کر دی + خیر۔ خدا کی مرضی اسی طرح
 تھی۔ اب وہ کسی دن مجھے طاقت دے گا۔ کہ میں اس کی رضا پر شاکر ہو جاؤں + دونوں
 ماں بیٹیاں جنت میں ہوں۔ اور میں بد نصیب اکیلا یہاں رہوں خوشیاں ان کے لئے
 اور غم میرے حصہ کا ہے + اچھا۔ مگر خدا میرے وقت پر میری دونوں دیبیوں کو میرے
 استقبال کو بھیجے گا۔ وہ دونوں شوق سے میری راہ دکھینتی ہوں گی۔ اور اب میری
 جیسین پیاری تجھے بہت دن انتظار نہیں کرنا ہے۔ تھوڑے دن کی بات ہے +
 اس نے ایک ہاتھ سے آنسو پونچھے۔ اور پھر صبر سے کھودتا رہا۔ جب تک کہ
 اس کا یہ درد بھرا کام ختم ہوا + پھر ایک پھولوں کا مٹھا نکال کر قبر کی دیواروں میں چاروں
 طرف لگا دیا + اور اس وغیرہ سے بچانے کو اس پر لکڑی کے تختے لگا کر پھاڑا کندھے
 پر رکھا۔ اور ہلکے ہلکے گھر کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ راستے میں گل کے لئے جب

اس کے زخم دل پر نمک چھڑکا جائے گا۔ یعنی اس کی پیاری بیٹی کا جسم خاکی آخری دعاؤں کے ساتھ سپرد خاک کیا جائے گا۔ اپنی طبیعت کو مضبوط کرنے لگا +

اُدھر لائل بیچارہ معلوم نہیں کتنے غم و الم میں بہ مشکل تمام تن تنہا اس گنجان جنگل میں گھڑیاں گزار رہا تھا۔ قبرستان سے بے تحاشا بھاگتے ہوئے اُسے بالکل ہوش نہ تھا۔ کہ وہ کیا کر رہا ہے، جنگل میں پہنچ کر اس کے ذرا ہوش ٹھکانے آئے۔ تو اس نے سوچنا شروع کیا۔ جیسے مر گئی ہے۔ وہ ہنستی ہوئی نیلی آنکھوں والی چھوٹی سی لڑکی اس وقت سرد ہو کر اڑی ہوئی اپنے تابوت میں پڑی ہے + اسے اس کی موت کا اب تک یقین نہ آتا تھا۔ اسے اس کی وہی ہنستی کھیلتی صورت جب اسے اس نے اپنے باغ میں آخری دفعہ دیکھا تھا۔ آنکھوں میں پھر رہی تھی + اسے اس کا وہ فقرہ بیچارہ لائل! مجھے خوف ہے میں تجھ سے پھر نہ ملوں گی۔ بار بار یاد آ رہا تھا۔ اور پھر اس کا الوداع کہتے ہوئے یہ کہنا۔ کہ مدت کے لئے نہیں کہتی ہوں + اس نے کہا تھا۔ کہ مدت کے لئے نہیں کہتی۔ مگر یہ تو وداع آخری ہی ہو گئی +

یہ سوچتے سوچتے لڑکا کچھ سبکیاں لینے لگا۔ مگر ابھی تک آنسو نہیں آئے۔ اس کے دل میں غم و الم کی آگ سگ رہی تھی + اگر آنسوؤں کا سیلاب اسے مجھادیتا۔ تو شاید اس کا دردِ دل کم ہوتا۔ مگر اس وقت یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ کیا واقعی سوائے مٹھی بھر خاک کے اب جیسے کچھ باقی نہیں ہے؟ اس نے دل میں کہا۔ وہ خوب صورت چہرہ کیا صرف فنا ہو جانے کو بنایا گیا تھا؟ واقعی بڑا ظلم ہے + اس نے ایک نظر نیلے آسمان کی طرف ڈال کر جس کی جھلک درختوں کی پتیوں میں سے دکھائی دے رہی تھی۔ منہ ہی منہ میں کہا۔ اسے پیدا کرنا واقعی ظلم تھا۔ اور مجھے زندہ رکھنا بھی بڑی بے رحمی

ہے، البتہ اگر موت کے بعد کچھ ہوتا۔ تو میں اس کے مطلب کو سمجھ سکتا تھا، وہ یہ کہتے ہوئے ٹھیرا۔ اور اس کی نظر ایک خوش ناپھول پر پڑی، اسے مخاطب کر کے اس نے کہا: تم مر کے کہاں جاتے ہو۔ کیا تم میں بھی روح ہے۔ اور مرنے کے بعد وہ دوسری صورت اختیار کر کے اُور کہیں نظر آتی ہے؟ ممکن ہے ہو۔ مگر ہمیں کیا معلوم؟

وہ کھڑا ہو گیا۔ اور سوچنے لگا۔ شاید آج کل کے علما اتنے دانا نہیں۔ جتنا وہ خیال کرتے ہیں، جس ذرہ کا وہ ذکر کرتے ہیں۔ ممکن ہے۔ وہ خدا ہو۔ اور اس زندگی کے بعد دوسری آتی ہو۔ شاید اس دُنیا کے علاوہ دوسری دُنیا ہو۔ جہاں جیسے جلی گئی ہے۔ مگر اسے تحقیق کس طرح کریں؟ وہ یہ سوچتے ہوئے پھر نے لگا۔ ٹھوڑی دیر میں اسے اچانک کسی خیال نے چونکا دیا۔ اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، مجھے اب اس راز کو معلوم کروں گا، یکا یک کچھ صابراور شاکر ہو کر وہ جنگل کے باہر نکل گیا۔ اور نیچی نظر کر کے اس پہاڑی سے جس پر وہ بے ہوشی میں دوڑتا ہوا چڑھا تھا۔ نیچے اُنزا۔ اور گردن جھکا قبرستان سے نکل کر دم بھر میں گھر پہنچ گیا۔

پھانک کے پاس پروفیسر کیڈ منگور چل قدمی کر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر بولے۔ ”کیوں بھئی خوب سیر کر آئے؟“ لائٹل نے جواب نہ دیا، پروفیسر نے غور سے اس کی طرف دیکھ کر کہا: ”کیا ہے۔ کیا پھر جی نہیں اچھا؟“ لائٹل نے مسکرنے کی کوشش کی۔ ”نہیں بیمار تو نہیں ہوں۔ میں قبرستان کی طرف گیا تھا۔ اور وہاں کارکھوالا اپنی چھوٹی لڑکی کے لئے قبر کھود رہا تھا۔ وہ اس کی ایک ہی بچی تھی، ہم لوگ جن دنوں کلہوولی میں تھے۔ وہ بیجاری چیپک سے مر گئی۔ اس کا نام جیسین تھا۔ اور میں اسے جانتا تھا۔“ پروفیسر کیڈ منگور کو اس کا اُترا ہوا چہرہ اور غم زدہ صورت دیکھ کر کچھ فکر پیدا ہوئی۔

مگر چونکہ وہ جیسمن ڈسٹیل کا حال پہلے کچھ نہ جانتے تھے۔ انہوں نے زیادہ خیال نہ کیا۔ صرف اتنا کہا۔ کہ وہ تم قبرستانوں میں نہ جایا کرو۔ ایسے مقامات اچھے نہیں ہوتے صحت کے لئے بہت مضر ہوتے ہیں، لائل نے پھر بڑی کوشش سے مسکرا کر کہا، ”مگر وہیں ہم سب کو جانا ہے۔“ اوف اوہ! پروفیسر نے ذرا نفگی سے جواب دیا۔ لائل میں تمہیں پہلے کہ چکا ہوں۔ تم یہ بیہودہ بکواس نہ کیا کرو۔ مجھے بہت بُرا لگتا ہے۔“

”مگر کیوں؟ آخر تو ہم سب ہی مرتے ہیں؟“

”ہاں مرتے ضرور ہیں۔ مگر کیا ضرورت ہے۔ کہ ہم ہر وقت اسی کا خیال کریں۔“

اور اسی کا ذکر کرتے رہیں؟ جب تک ہم زندہ ہیں۔ ہمیں خوشی سے زندگی بسر کرنی چاہئے، یہ کسی زلمنے میں یونانیوں کا قول تھا۔ اور واقعی سچ ہے؟“

کیا آپ واقعی یہ خیال کرتے ہیں؟“ لائل نے اس قدر سنجیدگی سے یہ سوال کیا۔

کہ اس کا استاد کچھ حیران سا ہو گیا، پھر لائل کہنے لگا۔ ”مگر ان کے سارے علم کا کیا فائدہ ہوا۔ ان کے عالی شان شہر اور بڑی بڑی عمارتیں سب ضایع ہوئیں۔ وہ سب مر گئے۔ اور ان کی تمام کوششیں اور علم بے کار ہوئے۔“

کیوں وہ ہمیں ملا۔ ان کے علم نے دنیا کے علم ادب کی بنیاد ڈالی۔ کیا یہ کچھ نہیں؟“

لائل نے آہ کھینچ کر کہا، ”ہاں جیسا خیال کیا جائے۔ مگر یہ بھی تو دریافت کرنے کے قابل بات ہے۔ کہ یہ سب علم ہمیں کہاں لے جاتا ہے؟ دنیا میں کتنی تو ہیں بڑھیں۔ علم حاصل کیا۔ نئی نئی ایجادیں کیں۔ اور غائب ہو گئیں، یہ سلسلہ تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔ پھر پھر کے دنیا میں وہی باتیں ہوتی ہیں۔ تو میں ترقی کرتی اور تباہ

ہو جاتی ہیں۔ معلوم نہیں۔ اس سلسلہ کا کیا فائدہ ہے؟

پروفیسر نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ میں سمجھتا ہوں۔ تم تھک گئے ہو۔ اب جا کر لیٹ رہو۔ زیادہ تکان بہت مضر ہوگی۔ اور میں نہیں سمجھا۔ تم قبرستان میں قبر کھدتی دیکھنے کیوں گئے تھے؟ تمہارے بڑے عجیب شوق ہیں؟

» میں قبر کھدتی دیکھنے نہیں گیا تھا۔ میں اس چھوٹی لڑکی سے ملنے گیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ وہ مر گئی ہے، میں نہیں جانتا۔ زندگی اور موت کا کیا مطلب ہے۔ اور توہرات سمجھ میں آتی ہے۔ مگر یہی گفتی نہیں سلجھتی۔ اور آپ بھی کچھ نہیں بنا سکتے، اب میں نے ارادہ کیا ہے۔ کہ میں خود اس معتمے کو حل کروں؟

لائسنل نے ٹوپی اتار کر ادب سے سلام کیا۔ اور اپنے کمرے کی طرف چلا۔ پروفیسر کچھ بے چین ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا، کیا عجیب لڑکا ہے؟ اس نے خیال کیا، مگر کس قدر ذہین اور غریب بچہ ہے، اگر جی نکلا۔ تو کمال پیدا کر سکے گا۔

شاید آئندہ نسل میں دنیا کا سب سے بڑا عالم ہی ہو۔ مگر صحت اس کی درست نہیں رہتی؟ وہ لے لے دو چار قدم اٹھا کر آگے بڑھے۔ اور پھر کھڑے ہو گئے، ان کے چہرے پر اس وقت ایک عجیب طرح کا تبسم تھا۔ بڑی تعجب کی بات ہے۔ واقعی تعجب ہے۔ مجھے کبھی یہ خیال نہ آیا تھا۔ کہ میں اس بچے سے اس قدر مانوس ہو جاؤں گا، یہ خیال کر کے ہنسی آتی ہے۔ مگر دراصل وہ پیار کا مستحق ہے۔ اور بے نظیر لڑکا ہے، یہ سوچ کر وہ ہنسنے، ہنسی سے ان کے چہرے پر کبھی رونق نہ آتی تھی۔ مگر اس وقت محبت کے آئینوں کے منہ پر تھے۔ جو واقعی بھلے معلوم ہوئے۔

لائسنل پچھانسی لے کر مر جاتا ہے

رات کوئی دو گھنٹی گزر چکی ہے۔ ہر چہار طرف سناٹا چھایا ہے۔ کہیں کوئی ذہی روح چلتا پھرتا دکھائی نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ درختوں کے پھول پتے بھی بالکل بے حس و حرکت ہیں۔ گویا دنیا کی ہر اک جان دار اور بے جان چیز دن بھر کے شور و غل اور محنت و مشقت کے بعد آرام سے سو رہی ہے۔ تاروں بھرے نیلگوں آسمان پر زہرہ اپنی پوری تیزی سے چمک رہا ہے۔ اور عطار دکی صاف ٹھنڈی روشنی سمندر کی سطح پر پڑتی ہوئی اس کی دل فریبی کو دو بالا کر رہی ہے، ہوا میں تازہ کھلے ہوئے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو ہے۔ مگر ہر چیز اس قدر خاموش۔ گویا کسی بڑے حاکم نے کسی مصلحت سے ان کی زبان بند کر دی ہو۔ مشرو و بلیکورٹ کے عالی شان مکان میں بھی ایسا ہی سناٹا ہے۔ ہر شخص نیند کے آغوش میں بے خبر پڑا ہے۔ مگر لائسنل سے نیند کو سوں دور ہے۔ وہ بالکل چاق چو بند اور بشاش اپنے پلنگ کے کنارہ پر بیٹھا ہے۔ اس کے چہرے سے ایک عجیب قسم کی خوشی نمایاں ہے۔ اور ہونٹوں پر نہایت میٹھا تبسم ہے۔ معلوم نہیں کن خیالوں نے اسے اس وقت محظوظ کیا ہے، وہ اپنی خواب گاہ میں تو وہی اپنے مقررہ وقت پر چلا آیا تھا۔ صرف غیر معمولی بات اتنی ہی تھی۔ کہ آج وہ اپنے باپ پروفیسر کیڈ منگور اور اپنی خادمہ لوسی کو سلام کر کے آیا تھا۔ اس کے والد ماجد تو اس وقت اخبار دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بشکل نگاہ اٹھا کر صرف سر ہلادیا۔ پروفیسر صاحب کسی بڑی دقیق کتاب کے ایک صفحہ پر غور کرتے تھے۔ مگر انہوں نے بڑی

مہربانی سے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔ اور یہ کہنے سوئے۔ کہ ”ہاں جاؤ سور ہو“ پھر صرغ ہو گئے، لوسی کو اس نے پکار کر ہی شب بچھڑا تھا۔ بلکہ جواب میں اس کی آواز خوشی اور پیار سے بھری ہوئی باورچی خانہ کی طرف سے آتی ہوئی سنائی دی۔

اس کے بعد یہ اپنی آرام گاہ میں آگیا تھا۔ مگر یہاں آکر اس نے کوئی تیاری سونے کی نہیں کی۔ سوائے اس کے کہ جوتا اتار دیا۔ تاکہ چلنے پھرنے میں آواز نہ کھلے۔ اور دوسری بات یہ کہ روشنی بجھا دی تھی + شاید اس لئے کہ وہ اندھیرے میں زیادہ اچھی طرح ان لوگوں کا جن کی یاد اسے سناتی تھی خیال کر سکتا تھا۔ مثلاً اب تصور خیال میں اس کو بالکل وہی رات معلوم ہوئی۔ جب اس کی ماں اسے الوداع کہنے آئی تھیں۔ اسے وہ پھر ایک دفعہ اسی آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی نظر آئیں۔ یہاں تک کہ سوچتے سوچتے اس نے ایک دفعہ زور سے کہا ”میری اماں۔ تم مجھے بڑی پیاری ہو۔ اور ہمیشہ رہو گی“ مگر فوراً ہی یہ خیال کر کے۔ کہ وہ اس سے اب ہمیشہ کو خست ہو گئی ہیں۔ اسے اپنی جھول پر کچھ ہنسی آئی۔ مگر ٹھوڑی ہی دیر میں کھڑکی کے پاس پہنچ کر اس نے تصور خیال میں گویا جینسین کو دیکھا۔ اور اس شام کا سماں۔ جب کہ اس کا پھول سا چہرہ چمیلی کی بیل میں سے تانکنا ہوا نظر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے پھر گیا + یہاں تک کہ اس کی سریلی آواز لائلی لائلی پکارتی اس کے کان تک پہنچتی سنائی دی + قریب تھا۔ کہ دروازہ کھول کر یہ اسے ملنے جانا۔ مگر بیکام اسے یاد آیا۔ کہ میری غلطی ہے جینسین مچکی ہے۔ اور میں اس کی قبر تک کھدتی دیکھ آیا ہوں۔ وہ اب بہت جلدی اس تنگ اور تاریک گڑھے میں ڈال دی جائے گی۔ اور میں اب اس کی آواز کبھی نہیں سُنوں گا + یہ کھڑکی کے پاس سے جہاں سے

اس نے ایک دفعہ قصبین کو خوشی خوشی کھیلتے دیکھا تھا۔ جلدی ہٹ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔
 تھوڑی دیر میں اس کو اپنے باپ کے قدموں کی آواز کان میں پڑی۔ وہ اپنی خواب
 گاہ میں داخل ہوئے۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد پروفیسر صاحب کھانتے ہوئے
 آئے۔ اور اُن کی آہٹ بھی مدھم ٹر گئی، دم بھر میں نیچے کی منزل میں گھڑیاں نے آدھی
 رات کا گھنٹہ بجایا، بعد ازاں سنا تا ہوا۔ اور اندھیرا اچھا گیا۔ لائل کچھ دیر اسی طرح بیٹھا
 رہا۔ مگر پھر کچھ اکتا کر اٹھا۔ موم بتی جلانی اور ذرا خوف سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
 گویا ڈرتا ہے۔ کہ کوئی اور تو کمرے میں نہیں ہے، پھر ایک اونچی الماری کا دروازہ کھولا۔
 کرسی رکھ کر اوپر چڑھا۔ اور اس کے سب سے اوپر کے خانے میں سے ایک لمبا سا
 گلوبند جو ایک دفعہ اس کی ماں نے اسے دیا تھا نکال لیا۔ اور کرسی سے نیچے اتر کر
 بلکے سے دروازہ بند کر دیا، پھر تھوڑی دیر گھڑا ہوا کچھ سوچتا رہا۔ گلوبند کو اچھی طرح
 پیٹ کر اپنی صدری میں ڈال لیا۔ اور جوتا پہن کر موم بتی ہاتھ میں لے کر دروازہ کھول کر
 بے تابی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہر چیز بالکل خاموش تھی۔ اور کوئی بھی اس وقت
 اس کے اس ہولناک ارادے میں خلل انداز ہونے کو بیدار نہ تھا۔

اب وہ نیچے اُترا۔ اور تڑھنے کے کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔
 یہ اندر داخل ہوا۔ اور چٹنی چڑھا کر ٹھنڈی سانس کھینچی۔ گویا منزل مقصود میں پہنچ کر
 دم لیا۔ اس کمرے میں روشنی دراز زیادہ تھی۔ گھڑکیوں کے پاس درخت نہیں تھے۔ کہ
 چاند کی روشنی شعاعوں کو اندر آنے سے روک دیتے۔ چنانچہ نشیوں میں سے ساف
 ٹھنڈی روشنی اندر آرہی تھی، اس نے موم بتی اپنے اسی ڈسک پر جس کے پاس
 بیٹھے ہوئے اس نے بہت سے تھکا دینے والے گھنٹے۔ اور دن ان چیزوں کی

جستجو میں جو اس کی رائے میں کوئی وقت نہ رکھتی تھیں۔ اور جو دراصل اس بڑے راز کے افشا کرنے میں جس کی اسے جستجو تھی۔ ذرا بھی مدد نہ دیتی تھیں۔ گزارے تھے + لائنل نے قلم دوات اور کچھ کاغذ نکالے۔ اور وہیں ہلکے ہلکے نہایت صاف ستھرے دستخط سے کچھ لکھنے بیٹھ گیا، جلدی ہی ایک رقعہ لکھ کر ختم کیا۔ اسے تہ کر کے وہیں رکھ دیا۔ اس کے بعد دوسرا لکھ کر رکھا۔ ان میں سے ایک پر لکھا تھا: بخد مت شریف والد صاحب۔ دوسرا کچھ زیادہ سادہ تھا۔ اس پر صرف یہی الفاظ تھے۔ پروفیسر کیڈمنگور کو پہنچے +

تھوڑی دیر تک وہ ان دونوں رقعوں کو دیکھتا رہا۔ اور دل میں کہنے لگا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میں بھاگ جانے کو ہوں + مجھے یاد ہے۔ مسٹر مونٹروز نے بھی مجھے کہا تھا۔ کہ بالکل تھک کر چور ہو جانے سے اچھا ہے۔ کہ تم کبھی کبھی بھاگ نکلا کرو + مونٹروز کا خیال آتے ہی اسے یاد آیا۔ کہ وہ اپنی کتاب کلیات ہومر اتفاقاً بھول گئے تھے۔ اور وہ اب تک یہیں پڑی ہے + یہ خیال آتے ہی اس نے ایک الماری میں سے وہ کتاب نکال کر اسے ڈاک میں ڈالنے کو تیار کیا۔ پھر ایک رقعہ اور لکھا جس کا مضمون یہ تھا:-

”پیارے ولی۔ تم اپنی کتاب کلیات ہومر ہمیں چھوڑ گئے۔ میرا ارادہ اسے فوراً بھیج دینے کا تھا۔ مگر اتفاق سے خیال نہیں رہا، اب چونکہ میں جانے والا ہوں۔ ایسا نہ ہو۔ یہ میرے آبا کی کتابوں میں مل کر ادھر ادھر ہو جاوے۔ چنانچہ میں اسے پروفیسر کیڈمنگور کو دے جاتا ہوں۔ وہ اسے ڈاک میں ڈال دیں گے + میں آپ کی مہربانیوں کا نہایت ہی مشکور ہوں۔ مجھے وہ اب تک یاد ہیں۔ اور شاید آئندہ بھی

کبھی نہیں بھولوں گا، میری نسبت کچھ فکر نہ کریں۔ میں اچھی طرح ہوں +

آپ کا ممنون احساں اور پیار کرنے والا شاگرد لائٹل +

اس رقعہ کو اس نے لفافہ میں بند کیا۔ اور ایک اور چٹ لکھ کر اس کے پاس رکھ دی۔ جس میں لکھا تھا "پیارے پروفیسر کیا آپ مہربانی کر کے یہ خط اور کتاب میری طرف سے مسٹر منٹوز کو بھیجنے کی تکلیف گوارا کریں گے۔ وہ اسے غلطی سے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ لائٹل +"

قلم دوات ٹھکانے سے رکھ کر اس نے دل میں کہا۔ خیر یہ تو ہوا۔ اماں کو خط لکھنا تو بے کار ہے۔ لکھوں بھی تو ان تک کیسے پہنچے؟ لائٹل کھڑکی کی طرف گیا۔ چاندنی پوری کھلی ہوئی تھی۔ اور دروازہ کھولتے ہی ہوا کے خوش گوار جھونکے اندر آنے لگے + اس وقت کا سماں بڑا ہی دل فریب تھا۔ مُردہ دلوں میں نئی روح پھونکنے والی اور اُداس طبیعتوں کو خوش کرنے والی رات تھی۔ قدرت کاملہ اپنا پورا جمال دکھا رہی تھی۔ ایسے ہی منظر بعض وقت دنیاے زوال میں فردوس کی جھلک دکھاتے ہیں۔ یہی دل فریبیاں گری ہوئی طبیعتوں اور مایوس دلوں کو جینے پر آمادہ کرتی ہیں۔ ایسے ہی موقعوں پر باوجود ہزار رنج و الم مصائب و تکالیف کے انسان کا دل درگاہ اینرڈی میں شکرگزاری سے بھر جاتا ہے۔ مگر اس چھوٹے لڑکے کو جو اس وقت اس خوش نما منظر کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ بھی بھلا نہ معلوم ہوا۔ اس کے نزدیک ہر چیز بلا وجہ پیدا کی گئی تھی۔ جس کی ہستی کا قطعی کوئی مدعا نہ تھا۔ ہر چیز فانی تھی۔ اور چند روز میں غائب ہو جانے والی +

آج کل بعض ملکوں میں بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ کہ انسان کی اپنی خواہشات

اس کی رہنما اور محافظ ہیں۔ اور خدا کا نام صرف بچاریوں کی ایجاد ہے جس سے وہ بزدلوں کو ڈراتے ہیں۔ چنانچہ روح فانی ہے۔ اور مر کر باقی نہیں رہتی۔ لہذا دنیا کے بعد ہمارے واسطے کچھ نہیں ہے۔ ان تباہ کن خیالوں سے جو بزوں نتیجے دیکھنے میں آئے ہیں۔ اس کا کیا بیان ہو؟ ہزاروں نپتے بے دین ہو گئے ہیں۔ بہترے خدا سے منکر۔ مگر بعض وقت وہ غیر فانی روح پھر بھی اپنی اصلیت دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ اور قدرتی طور پر بچوں کے بھٹکائے ہوئے دلوں میں بھی پروردگار کا خیال پیدا کرتی ہے ❖

چھوٹے لائنل کا دل ہرگز اس تعلیم کو قبول کرنے کے لئے جو اسے دی جا رہی تھی۔ آمادہ نہیں تھا۔ اُسے قدرتا خیال آتا۔ کہ کوئی چیز غیر فانی ضرور مجھ میں ہے۔ بڑا ہونے پر شاید اس کے خیالات بدل جاتے اور یہ یقین کرنے لگتا۔ کہ بے شک انسان کی اپنی خواہشات ہی اس کی سچی رہنما ہیں۔ مگر نتیجہ تھا اور اسے اور کوئی خواہش سوائے اس راز کے معلوم کرنے کے نہیں تھی۔ اور اس کی یہ پیاس سائیس دانوں کی نہرا لیلیں بھی نہیں بجھا سکتی تھیں۔ کسی حکیم کا قول ہے۔ کہ بچوں کے اس قسم کے سوالات سارے منطق کی کنجی ہیں۔ آسمان قیامت تک لعنت برساتا رہے گا۔ ان لوگوں پر جو بچوں کے پاکیزہ دلوں کو مکروہ خیالات سے خراب کرتے ہیں۔ وہ لوگ قاتلوں سے بڑھ کر ہیں۔ بچوں کی روحوں کو کچل ڈالنے کا گناہ عظیم ان کے سر پر ہے۔ قوموں میں یہ تباہ کن خیالات پھیلانے والا فرقہ دن دونی رات چوکنی ترقی کر رہا ہے۔ ہنراتک (دوسرے) مصنف کی کتابیں آج کل مقبول عام ہو رہی ہیں۔ جنہیں زیادہ مکروہ خیالات ہیں۔ اتنی ہی زیادہ ان کی تعریف اور شہرت + وہ وقت اب دور نہیں جب ہم بچوں

کے اس سوال کا کہ ہمیں کس نے پیدا کیا۔ یہ جواب دیں گے۔ کہ کسی نے نہیں بنائے۔ اسے ثابت نہیں کرنا۔ یہی وقت بیچارہ لائل کو درپیش تھی۔ اسے اسی بات کی جستجو تھی۔ جس کا سائنس کے ذریعے پتہ نہیں لگتا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تاروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور خدا کی ہستی اور ٹرائی کا یقین اس کے دل میں ایک دھندلی پرچھائیں کی طرح چھایا تھا۔ کیسی اچھی بات ہے۔ اس نے دل میں کہا۔ کہ میں اب تھوڑی ہی دیر میں سب حال جان لوں گا۔ اور ممکن ہے جبین سے بھی مل سکوں۔ یہ اچھا نہیں۔ کہ میں وقت سے پہلے یہ سب باتیں جاننا چاہتا ہوں۔ مگر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ میں بے فائدہ پڑھے جاؤں۔ اور بہت سی فضول باتوں کی جستجو میں وقت ضائع کروں۔ اور جو بات قابل جاننے کے ہے اسی کو چھوڑ دوں۔ اس نے یکایک گردن موڑ کر اندر دیکھا۔ کمرہ کی ایک طرف روشنی بہت صاف پڑ رہی تھی۔ کچھ موم بتی اور کچھ چاند کی روشنی میں اس کو ایک گنڈا چھت میں اور سب گنڈوں سے زیادہ بڑا نظر آیا۔ اس نے کرسی پر چڑھ کر اس میں لٹک کر دیکھا۔ کہ وہ اس کا بوجھ سہار سکتا ہے یا نہیں۔ گنڈا بڑا ہی مضبوط تھا۔ لائل کچھ سوچ کر مسکرانے لگا۔ اور پرفضا گلوولی کا خیال آیا۔ اور اس عجیب سیاح کا جس کی لاش سمندر کے کنارہ ایک جھونپڑی کی چھت سے لٹکی ہوئی ملی تھی۔ اسے اس ماہی گیر کا یہ کہنا بھی یاد آیا۔ کہ اگر کوئی لباسا کپڑا اور گنڈا سامنے ہو۔ تو اس سے زیادہ کوئی بھی کام آسان نہیں۔ پھر اس نے وہ گلوبند اپنی ماں کا تحفہ جیب سے نکالا۔ اور اس کا ایک سر کنڈے سے باندھ کر دوسرے سے ایک پھندا سا بنا لیا۔ جب یہ کر چکا۔ تو نیچے اترا۔ مگر کرسی ٹھیک اسی جگہ پر رہنے دی۔ اور پھر ایک دفعہ گنڈے کی

طرف دیکھ کر موم بتی بجھا دی + اب وہ اس کمرے میں بالکل تنہا کھڑا تھا، اس کی آنکھیں کھڑکی کی طرف لگی تھیں۔ جس میں سے پھولوں کی خوشبو اور چاند کی روشنی اندر آرہی تھی + وہ دو چار قدم اُور آگے بڑھا۔ اور گھٹنے ٹیکے۔ ہاتھ جوڑ کر اس نے اپنا زرد و بلاگر شتاق چہرہ چاند کے چمکتے ہوئے عظیم الشان گرہ کی طرف کیا + اس کی چاندی کی طرح چمکتی ہوئی کمر میں اس کے سنہری پریشان بالوں سے کھیلنے لگیں۔ اور ایک نہایت ننھے ہوئے اور پُر درد دل سے نکلی ہوئی دعائیں ہلکے ہلکے سنائی دیں +

”اے ذرہ عظیم۔ میں آج واما نگتا ہوں۔ میں نے کبھی دعا نہیں مانگی۔ اور نہیں جانتا۔ کہ کس طرح مانگوں۔ شاید تم میری آواز سن نہ سکو۔ یا سن کر پروا نہ کرو + مگر میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ مجھے اپنے جذبات کا اظہار ضرور کرنا چاہئے + اے پیارے ذرے اگر تم ذمی ہوش ہو۔ اور تمہیں دنیا کے لوگوں اور ان کے رنج و الم کی کچھ بھی خبر ہے۔ تو تم بہت کچھ ہو + میں تمہاری ہی جستجو میں آتا ہوں۔ اور اگر بالآخر تم واقعی خدا ثابت ہوے۔ تو میں کس قدر خوش ہو جاؤں گا + آہ! اگر تم واقعی خدا ہی ہو۔ تو تم مجھ غریب کا ترس کرو گے۔ میں بہت ہی ناخوش اور مصیبت زدہ ہوں + دنیا میں میرے لئے کسی طرح کی خوشی نہیں ہے + یہاں ان لوگوں کو جو مجھے پیارے ہیں۔ میں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا + میں معلوم کیا چاہتا ہوں۔ کہ اس سے زیادہ اچھی اور خوشی کی جگہ بھی کوئی اُور ہے یا نہیں + اس وقت معلوم نہیں۔ کیوں مجھے یہ یقین ہے۔ کہ تم ذرہ نہیں بلکہ خدا ہو۔ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ تم کچھ نہیں۔ غلطی پر ہیں + معلوم نہیں۔ یہ لوگ مرتے ہوئے کیا خیال کریں گے۔

کیا تم ان کے گناہ معاف کرو گے؟ کیونکہ ضرور انہوں نے میری طرح اُدھر بھی بہت سے بچوں کو مصیبت میں ڈالا ہوگا + وہ لوگ جو تیری ہستی سے انکاری ہیں۔ کسی مصیبت کو صبر سے جھیل نہیں سکتے۔ جس طرح میں اپنی ماں کی جدائی نہیں سہ سکتا، وہ لوگ ریون ڈویل کی طرح نہیں۔ کہ اگرچہ اسے اپنی بچی کی موت کا غم بہت ہے۔ مگر اسے یقین ہے۔ کہ تو نے سب اچھا ہی کیا ہے۔ اور اس کی بیٹی اس سے پھر مل جاوے گی + تو اب آخری دفعہ میں تجھے خدا سمجھ کر دعا مانگتا ہوں۔ کہ تو ہمیشہ میری پیاری ماں پر مہربانی کی نظر رکھنا + جب میں تیرے پاس پہنچوں گا۔ تو شاید تو خود مجھے کوئی صورت ان کی حفاظت کرنے کی بتا دے + اگر میں بھی جہین کی طرح فرشتہ بننے کا مستحق ہوا۔ تو میں ہر وقت ان کے ساتھ رہ کر ان کی حفاظت کر سکوں گا + مگر میں بغیر تیری مہربانی اور مدد کے کچھ نہیں کر سکتا۔ اور تو ہی مجھے اس کام میں مدد دینے والا ہے + میں اس وقت ان بے شمار تاروں کو دیکھتا ہوں۔ ان میں بھی بعض میں ہماری طرح کے لوگ آباد ہیں۔ وہ سب اور اس دُنیا کے کر ڈرہا آدمی تجھ سے اپنے اپنے واسطے دعا مانگتے ہونگے۔ مگر تو لوگوں کے دلوں کے راز جاننے والا ہے۔ اور تجھے معلوم ہوگا۔ کہ میرے خیالات صرف اپنے تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ میں ہر ایک چیز کی ہستی کا سبب معلوم کیا چاہتا ہوں + ہر طرف اس قدر درد اور مصیبت ہے۔ کہ میں بغیر اس کا سبب معلوم کئے نہیں رہ سکتا + اگر کوئی مجھے تیری ہستی کا پورا یقین دلاتا۔ تو میں آسودہ ہو جاتا۔ مگر مجھے کوئی ان سوالوں کا جواب نہیں دیتا۔ اس لئے میں خود تیرے پاس آ کر معلوم کرتا ہوں + اے زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے۔ اے پہاڑوں اور سمندر

کے مالک۔ اے سورج اور چاند کے بانی۔ میں تیرے پاس آتا ہوں۔ دُنیا مجھے ڈرا دیتی ہے۔ مگر تجھ سے مجھے خوف نہیں۔“

اس کی یہ ہلکی دعا کی آواز تھوڑی دیر تک آئی۔ اور بند ہو گئی۔ اسی طرح ہاتھ جوڑے ہوئے اس نے سوچا۔ کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اتنے میں اسے ایک بھجن یاد آیا۔ جس کو ہلکے ہلکے گاتا ہوا اٹھا۔ اور اس خوش نما منظر اور تاروں بھرے آسمان کی طرف ایک آخری نظر ڈال کر گلوبند کی طرف چلا۔ کرسی کو پکڑ کر چڑھنے کو نکھا۔ کہ دروازہ پر نظر پڑی۔ چپکے سے جا کر اسے آہستہ سے بند کیا۔ اور اب ہر طرح محفوظ ہو کر یہ محصوم بچہ دلی اطمینان اور مسرت کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے کی تلاش میں۔ جس کی ہستی سے اس کے بے رحم تربیت کرنے والوں نے انکار کیا تھا۔ خود چلا۔ لحظہ بھر بعد ایک کرسی کے گرنے کی آواز آئی۔ اور سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت ایک روح قفسِ غصہ کی کوچھوڑ کر عالمِ ارواح کو سدھاری۔ یعنی.... لاش ختم ہوا۔

باپ اور اُستاد لاش کی لاش پر

دوسرے دن کہ نہایت ہی سہانی صبح تھی۔ ہر چیز روشن اور چمک دار تھی۔ چڑیاں میٹھی سروں سے گیت گارہی تھیں۔ اور چھوٹی چھوٹی خوش رنگ تیتلیاں خوش نما پھولوں سے کھیلتی پھرتی تھیں۔ ٹھنڈی خوش گوار ہوا کے جھونکے دل و دماغ تازہ کر رہے تھے۔ مسٹر ویلیکورٹ کے دل پر بھی تھوڑا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے اپنے کمرے کی سب کھڑکیاں کھول دیں۔ اور باہر دیکھتے رہے۔ پھر ذرا تازہ

ہو کر کھانے کے کمرے کی طرف ناشتہ کرنے جا رہے تھے۔ کہ دبلیز پر لوسی روتی ہوئی نظر آئی، کانپتی ہوئی آواز سے وہ کہہ رہی تھی: "ماسٹر لائنل کی خواب گاہ کھلی پڑی ہے۔ ان کا بستر بالکل صاف ہے۔ وہ رات کو وہاں نہیں سوتے، پڑھنے کے کمرے کا دروازہ بند ہے۔" اور آہ "اتنا کہہ کر وہ اور بھی رونے لگی۔" معلوم نہیں ان کو کیا ہوا۔ ان کی طبیعت نبی تو اچھی.....

وہ ابھی پوری بات کہ نہ پائی تھی۔ کہ پروفیسر کئی دن گئے: "کون اچھا نہیں کس کا ذکر ہے۔ کیا بات ہے؟" مسٹر ویلیکورٹ نے جواب دیا: "لائنل اپنے کمرے میں نہیں ہے۔ اور یہ لڑکی کہتی ہے۔ کہ وہ رات کو بھی وہاں نہیں سویا۔ شاید یہ بھی اپنی ماں کی طرح بھاگ گیا ہے، یہ کہتے ہی ان کی اپنی ٹھہرائی والی کے خط کا وہ فقرہ کہ میری عادات اور خصایل لڑکے میں ہیں۔ کسی نہ کسی دن وہ بھی تمہیں چھوڑ جائے گا۔ ان کو یاد آگیا۔ اور چہرہ غصے سے تمتا اٹھا۔

"نہیں۔ نہیں۔ وہ اس قسم کا لڑکا نہیں۔ ممکن ہے۔ رات کو اسے نیند نہ آئی ہو۔ طبیعت نہ اچھی ہو۔ یا شاید وہ باہر پھرنے چلا گیا ہو۔ وہ اتر صبح ہوا کھانے نکل جاتا ہے۔"

مگر یہ لڑکی کہہ رہی ہے۔ کہ پڑھنے کا کمرہ بند ہے۔ پھر لوسی کی طرف مخاطب ہو کر: "اندر کی پینٹی لگی ہے یا باہر کی؟"

"جی صاحب۔ اندر سے بند ہے۔ اسی سے تو مجھے وہم ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو پیارے لائنل کو وہاں غش آگیا ہو، میں نے کھٹکھٹایا۔ پکارا۔ چلا یا۔ مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔"

پروفیسر نے ذرا غصے سے کہا: "کیا وہیات بلواس کرتی ہو۔ مجھے معلوم ہے اس دروازہ کا کھٹکا ذرا پڑانا ہے۔ بعض وقت آپ ہی چٹخنی لگ جاتی ہے۔ جاؤ ہتھوڑی لے آؤ۔ ابھی دروازہ کھل جائے گا۔"

وہ کمرہ کی طرف چلے مسٹر ویلسکورت بھی پیچھے ہو لئے۔ اور ہتھوڑی دیر میں ہوسی باہر سے مالی کو کھٹاڑی وغیرہ لئے ہونے ساغھ لے آئی + پروفیسر نے پہلے دروازہ کھٹکا مٹایا۔ اور لانسٹل کہہ کر پکارا۔ کوئی آواز سوائے ایک خوش گلوچڑیا کے راگ کے کان تک نہ پہنچی، عجیب قسم کا خوف پروفیسر کے دل پر طاری ہوا۔ اور وہ مسٹر ویلسکورت کی طرف دیکھ کر بولے: "بہتر ہے۔ آپ بٹ جائیں۔ معلوم نہیں بچہ کس حال میں ہوگا۔"

مسٹر ویلسکورت اسی طرح کھڑے رہے۔ ان کا چہرہ ابھی تک غصے سے سُرخ تھا۔ مگر مسکرا کر انہوں نے کہا: "کوئی بات خوف کی نہیں ہے۔ وہ آخر اپنی ماں کا بچہ ہے۔ جعل سازیاں لکرا اور فریب اس میں بھی کم نہیں۔ ہمیں دھوکا دینے کو اندر سے دروازہ بند کر کے کھڑکی کی راہ سے بھاگ گیا ہے۔ اس سے زیادہ اغلب آؤر کیا بات ہو سکتی ہے؟" پروفیسر نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا، ہتھوڑی دیر میں دروازہ کھٹکا، ہوسی کے زور سے چلانے کی آواز آئی۔ اور پروفیسر کیڈ منگور "یا خدا" کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے "ویلسکورت آپ نہ دیکھئے۔ بٹ جائیے۔ غضب ہو گیا۔ آپ کا بچہ مر گیا۔"

مگر مسٹر ویلسکورت جلدی سے اندر داخل ہوئے۔ اور اس دروناک صورت کو جو سخت دلوں کو ہلا دیتی۔ جو غیروں کو کبھی خون کے آنسو رلانے کے لئے کافی تھی۔

سختی سے دیکھتے رہے، کیا یہ چھت کی کڑی سے لٹکی ہوئی لاش انہیں کے اکلوتے بیٹے کی تھی، کیا یہ اسی کی لاش تھی جس کی زندگی کے لئے مسٹر ویلیکورت نے ہزاروں منصوبے باندھے تھے جس کی شہرت اور تعریف کے لئے انہوں نے اپنے خیال میں بہترین طریقے اختیار کئے تھے؟ کیا اس بچے کی قیمت میں سوائے وہ گز کفن کے کچھ نہ تھا؟ کیا وہ صرف اسی واسطے دنیا میں آیا تھا؟ ہاں کسی شاعر نے بیچ کہا ہے۔

از بیابانِ عدم تا سرمدیانِ وجود - بتلاش کفے آمدہ عیا نے چند۔

مسٹر ویلیکورت اپنے ہونہار بچے کی لاش کو اسی طرح دیکھتے رہے میں بڑی حیرت سے کہتی ہوں۔ کہ ان کے دل پر اس وقت بھی رحم یا محبت نے پرچیاں نہیں ڈالی، خاموش کھڑے ہوئے وہ لوسی کو سبکیاں لیتے اور پروفیسر کئیڈینگور کو نہایت مسرت اور یاس کے ساتھ اس چھوٹی لاش کو کڑی میں سے اتار کر زمین پر لاتے ہوئے دیکھا کئے۔ پروفیسر کی آنکھیں موٹے موٹے آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، انہوں نے لائل کے دل کو چھوا۔ مگر اس کی حرکت مدت پہلے بند ہو چکی تھی، شیشہ اس کے ہونٹوں سے چھوا۔ کہ ممکن ہے ننھوڑی بہت سانس بانی ہو۔ مگر معصوم مرحوم کا طاثر روح گھنٹوں پہلے پرواز کر چکا تھا۔ اور اب کوئی دنیاوی طاقت نکلی ہوئی سانس کو واپس نہیں لاسکتی تھی، پروفیسر کئیڈینگور نے پھر بڑی باہمی سے کہا: "یا خدا! کہاں تک نوبت آئی بیچارہ معصوم بچہ! پھر مسٹر ویلیکورت بولے: "کیا یہ بالکل مر چکا ہے؟"

"ہاں۔ بالکل۔ کیسی مسرت ناک موت ہے۔ لوسی رو نہیں۔ سر پہ بھی اوسان

جاتے ہیں۔ ادھر آؤ۔ سہارا دو میں اسے پلنگ پر لٹاؤں، پھر ویلکورٹ کی طرف مخاطب ہو کر کیسی دردناک بات ہے۔ اتنی چھوٹی عمر میں کیسے ہونہار کا خاتمہ ہوا۔ ویلکورٹ مجھے آپ کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ آپ کا بڑا ہی لائق اور ہونہار لڑکا جاتا رہا، اتنا کتے ہوئے پر وفیسر نے گردن موڑی۔ اور منہ چھپا لیا، لوسی زار زار روتی ہوئی معصوم کی لاش پر جھکی، اس کے بال پیچھے کئے۔ اور دونو ہاتھ چھپاتی پر رکھ دئے، مسٹر ویلکورٹ نے ایک عجیب لہجے سے کہا: ”دیوانگی نکل ہی ہے،“ وہ یہ کتے ہوئے رُکے، اب تک انہوں نے لاش کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھایا تھا، ان کی طبیعت اس جھگڑے سے تنگ آرہی تھی۔ اور چاہتے تھے۔ کہ جس قدر جلدی ممکن ہو لاش اُٹھے۔ اور نظر سے اوجھل ہو، یکایک ان کی نظر لائسل کے خطوں پر پڑی، ”یہ لودو خط پڑے ہیں۔ ایک تمہارے نام ہے۔ اور دوسرا میرے،“ انہوں نے ہچکچاتے ہوئے اپنے والا خط اُٹھا لیا۔ کہ یہ سوچ کر کہ شاید لائسل نے خودکشی کے لئے مجھے قصور وار ٹھہرایا ہے۔ اور زیادہ کام کی شکایت کی ہے۔ ایک غصے کی نظر اس کے مردہ جسم پر ڈالی۔ مگر اس میں کسی قسم کی شکایت نہ تھی وہ بہت مختصر تھا۔ اور صرف اتنا لکھا تھا:-

”میرے پیارے آبا۔ میں نے اکثر آپ کو کتے سنا ہے۔ کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے جسم کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ خواہ جلا دیں۔ دفن کریں۔ یا سمندر میں بہا دیں۔ سب یکساں ہے، میری آپ سے آخری التجا ہے۔ کہ آپ میری لاش یہاں کے ہی قبرستان میں دفن کروائیں، یہاں کا ایک شخص مشر ریون ڈبیل بہت اچھی قبریں بناتا ہے۔ اور میری خواہش ہے۔ کہ میری قبر اس کی چھوٹی بچی جیسمن کی

قبر کے پاس بنائی جاوے، میں ایک دفعہ جلیمن سے ملا تھا۔ اور مجھے وہ بڑی پسند تھی۔ اب وہ اور میں دونوں مر چکے ہیں۔ اور آپ کو تو اس میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ کہ میری قبر اس کے پاس ہو۔ کیونکہ مرنے کے بعد تو انسان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان کو لوگ جلد ہی بھول جاتے ہیں۔ اور آپ بھی مجھے بہت جلد بھلا دیں گے۔ مگر یہ میری آخری التجا ضرور قبول کریں۔ اور یہ بھی کہ یہ گلو بند جو آپ کو میری گردن سے بندھا ہوا لٹے گا۔ میرے ساتھ دفن ہوں۔ اور مہربانی کر کے اگر ممکن ہو۔ تو میری

اماں کو میرا پیار کھلا بھیجیں، آپ کا بیٹا لائل ویلسکورت *

اتنے میں پروفیسر تھوڑی تھوڑی دیر بعد کھانستے اور ٹینک کے تیشے

پونچتے ہوئے اپنا خط پڑھنے لگے، وہ پہلے والے سے بہت زیادہ لمبا تھا۔ اور کچھ ایسے درد بھرے طرز سے لکھا ہوا۔ کہ پروفیسر کا صبر و قرار کھوٹے دیتا تھا۔ اس کا مضمون تھا :-

”پیارے پروفیسر۔ آپ کی لانا تھا مہربانی کا میں بڑا ہی مشکور ہوں، مجھے معلوم ہے۔ کہ پہلے میں آپ کو بالکل پسند نہیں تھا۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ آپ مجھے اب پھر اس بات سے برا نہ خیال کرنے لگیں گے۔ کہ میں نے جینے کی کوشش چھوڑ دی ہے مجھے آپ لوگوں کی خواہش کے مطابق علم حاصل کرنے میں سالہا سال محنت کرنی پڑتی۔ اور مجھے اس میں کوئی بھی فائدہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ خاص بات جسے میں معلوم کیا چاہتا ہوں۔ صرف ذرہ یا خدا کی نسبت ہے۔ اور آپ بھی یہ مسئلہ حل نہ کر سکے، یہ سب خیال مجھے بہت ہی سنا دیتے تھے۔ اور جب سے میری اماں چلی گئیں۔ اور پھر بیچاری جلیمن مری۔ مجھے دنیا کی مصیبت کا

ایسا نقشہ بنا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ان باتوں کا کیا مدعا ہے۔ اور میں نے یہ ارادہ کر لیا۔ کہ میں آپ معلوم کروں۔ کہ لوگوں پر یہ مصیبت ڈالنے میں خدا کی کیا مصلحت ہے، مجھے دراصل پورا یقین ہے۔ کہ نہا ہے۔ اور جو میں میں اس تک پہنچا۔ میں خود معلوم کروں گا۔ شاید وہ مجھے آج ہی رات کو مل جاوے۔ اس وقت بھی مجھے وہ اپنے بالکل قریب معلوم ہوتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا۔ آپ نے ایک دفعہ کلہوولی میں مجھے سائیکل کا قصہ سنا یا تھا۔ میں بھی اس کی طرح اپنے چراغ کی مدد سے یہ راز افشا کیا چاہتا تھا۔ مگر اب میرا خیال ہے۔ کہ اس چراغ کو گل کر کے میں زیادہ اچھی طرح پتہ لگا سکوں گا۔ خدا کی تلاش میں ایسی مدغم روشنی کی ضرورت نہیں، کتابیں ہزاروں باتیں کہتی ہیں۔ ایک مصنف دوسرے پر نکتہ چینی کر کے اسے غلط ثابت کر دیتا ہے۔ اس طرح کسی بات کا خاص طور پر پتہ نہیں چلتا۔ مگر پیارے پروفیسر مجھے پورا یقین ہے۔ کہ ہمیں پیدا کرنے والا خدا ہی ہے، مجھے امید ہے۔ آپ بھی اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کریں گے۔ اگر میں واقعی اس وقت خدا کے گھر جاتا ہوں۔ اور سب روہیں اسی کے پاس پہنچتی ہیں۔ تو میں آپ سے پھر ملوں گا۔ اور مجھے آپ کو دیکھ کر بڑی ہی خوشی ہوگی، مجھے بھی شروع میں آپ پسند نہ آئے تھے۔ مگر کلہوولی میں مجھے آپ سے خاص محبت ہو گئی۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ میں والد سے کہہ کر آپ کے ساتھ آؤں کئی برس رہوں۔ مگر جیسمین کی موت نے میرا ارادہ بدل دیا، میں نہیں سمجھ سکا۔ کہ اس غیب کو مار ڈالنے سے کیا فائدہ تھا۔ چنانچہ میں نے قصد کیا۔ کہ اس بات کا پتہ ضرور لگانا۔ اچھا اب خدا حافظ، میرا خیال ہے۔ کہ اگر آپ میرے سے اور کسی بچے کو پڑھانے

جائیں۔ تو اسے یہ سکھا دیں۔ کہ ہمیں پیدا کرنے والا ڈرہ نہیں۔ بلکہ خدا ہے۔ جو کوئی بات بغیر خاص مسلمات کے نہیں کرتا، آپ کو ضرور بہت کچھ سوچنا ہوگا۔ کیونکہ آپ کی رائیں پختہ ہیں۔ اور آپ نے بہت کچھ پڑھا ہے۔ مگر مہربانی کر کے میری خاطر سے کسی دوسرے لڑکے کی تعلیم کا بڑا اٹھانے کے پیشتر آپ ضرور پھر اس بات پر غور کریں، آپ کی مہربانیوں کا دلی شکر یہ ہے۔ آپ کا ممنون احسان شاگرد۔ لائل“

پروفیسر کیڈ منگور کے دل پر اس معصوم مگر عجیب بچے کے اس خط نے جس میں اس کی مصائب و تکالیف کا ایسے پرورد و الفاظ میں ذکر تھا۔ بڑا ہی گہرا رنج و ہا اثر کیا، ان کے جھجریاں پڑے ہوئے زخموں پر آنسو بہنے لگے + ایک بڑے سے زرد نشیبی رومال سے آنسو پونچھ کر یہ ویلیس کورٹ کی طرف جواب غور سے اپنے بچے کی لاش کو دیکھ رہے تھے مڑے + وہ ان کی طرف مخاطب ہوئے اور دھیمی آواز سے ایک ایک لفظ تول تول کر بولے۔ کتنی عجیب بات ہے۔ کہ مگر کبھی مشابہت کہیں نہیں جاتی۔ اس بچے کی آنکھیں بالکل اپنی ماں کا نمونہ ہیں۔ اور مزاج بھی ویسا ہی ہے۔ وہ ہمیشہ ذلیل باتیں پسند کرتی تھی۔ اس کی آخری التجا مجھ سے سوائے اس کے کچھ نہیں۔ کہ مجھے ایک دہقان کی بچی کی قبر کے نزدیک دفن کر دینا، میں ان و امہیات باتوں کا کچھ خیال نہیں کروں گا۔ اس کی لاش وہیں دفن ہوگی۔ جہاں ہمارے خاندان کی رسم ہے“

پروفیسر کیڈ منگور یہ سن کر ویلیس کورٹ صاحب کی امید کے خلاف بڑے غصے میں آگئے۔ اور بولے۔ ویلیس کورٹ آپ کا دل حقیقت میں پتھر کا ہے +

اپنے اکلوتے بچے کی لاش آنکھوں کے سامنے ہوتے آپ اس کی ذرا سی آخری خواہش پوری کرنے سے انکار کرتے ہیں، زندگی میں اس نے کبھی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی۔ آپ کے مظالم وہ نہایت ہی صبر اور استقلال سے سہتا گیا، آپ کی سختیاں آخر میں اس کی موت کا باعث ہوئیں، اس کی صحت مدت سے خراب تھی۔ ڈاکٹر ہارٹلی نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر حفاظت نہ ہوئی۔ تو اس کی جان کا خطرہ ہے، مجھ سے جہاں تک ہوا۔ میں نے اس کی صحت قائم رکھنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے ہر وقت کھیلنے کی اجازت دے دی تھی، میں بھی آپ کے جابرانہ احکام کو سجالانے ڈرتا تھا۔ کیونکہ اس کا جسم ہرگز اس قدر کام کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اس کا ایسی دردناک موت مرجانا صرف آپ کے ظلم اور ستم کا نتیجہ ہے، مگر یاد رکھیے۔ اگر یہ آخری خواہش اس کی پوری نہ کی گئی۔ تو آپ کی بدنامی کی کوئی حد نہ رہے گی، آپ کو معلوم ہے۔ میری ہر اک تحریر کا اثر عوام کے دلوں پر کتنا ہوتا ہے، میں اس بچے کے اس طرح خودکشی پر مجبور کر دئے جانے کے قہقہے کو انگلستان بھر میں مشہور کر دوں گا۔ اور یہ بھی سب پر ظاہر کروں گا۔ کہ آپ کے ہی ظالمانہ سلوک نے آپ کی بیوی کو بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ مسٹر ویلیکورٹ یہ گفتگو سن کر۔ اور پروفیسر کیڈمنگور کا غصہ سے بھرا ہوا چہرہ دیکھ کر سکتے ہیں رو گئے۔ اور کہا:-

”مجھے واقعی آپ سے یہ باتیں سن کر سخت تعجب ہے، مہربانی کر کے اتنے پریشان نہ ہوں۔ آپ ہمیشہ میرے... لڑکے پر بہت مہربان رہے۔ اور آپ کی یہ خواہش ہے تو مجھے اس کو یہاں دفنانے میں کوئی خاص عذر نہیں۔ بلکہ اس سے تو اس کی دلوانگی زیادہ واضح طور پر ظاہر ہوگی۔ کیونکہ اس کی حیثیت کا کوئی صحیح دماغ لڑکا ہرگز ایک

دہقان کی لڑکی کے پاس دفنایا جانا گوارا نہیں کر سکتا، آپ کا یہ الزام۔ کہ میرے جبر اور ستم سے یہ مر گیا۔ بڑا ہی تعجب خیز ہے، کوئی مضبوط دماغ لڑکا پڑھنے سے نہک نہیں جاتا، میں اس کے دماغ کو بہت قوی سمجھتا تھا۔ مگر میری غلطی تھی، اس کی خودکشی میرے لئے سخت تکلیف کا باعث ہو گی۔ گھر میں جستجو اور تحقیقات شروع ہو جائیگی۔ خیر میں ڈاکٹر کو بلانا ہوں۔ جس قدر جلدی ان باتوں کا فیصلہ ہو ٹھیک ہے۔

پروفیسر کیڈ منگور نے اس پلنگ کی طرف اشارہ کر کے جہاں بیچارہ لائل اب آخری نیند سو رہا تھا۔ کہا ”تمہیں اپنے بچہ کا ذرا بھی پیار نہیں۔ ورنہ ایسی دردناک صورت سامنے ہوتے آپ کے مُنہ سے الفاظ نہ نکلتے“

”محبت چیز ہی کیا ہے۔ دنیا میں کسی کو کسی سے محبت نہیں ہوتی۔ اور کوئی سمجھ دار باپ اپنی اولاد کو پیار نہیں کرتا۔ صرف اتنا ہی فرض ہے۔ کہ دنیا میں اپنے لڑکوں کو کارآمد بنانے کی کوشش کرے، مجھے اس لڑکے سے بڑی امیدیں تھیں۔ مگر اس کا دماغ جس پائے کا میں نے سمجھا تھا۔ نہیں نکھا، بہت ہی کمزور۔ شاید کسی حد تک بگڑا ہوا نکھا۔ اور اسی دیوانگی کی حالت میں اس نے خودکشی کی۔ مگر وقت گزرنے پر ثابت ہو گا۔ کہ یہی اس کے لئے سب سے اچھی بات تھی۔ خیر اب میں ڈاکٹر کو بلانا ہوں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے دو چار بڑے بڑے قدم اٹھائے۔ اور بڑے اطمینان سے باہر چلے گئے، اب پروفیسر کیڈ منگور جو علم و ہنر کی مجسم تصویر تھے۔ اپنے ننھے شاگرد کی لاش کی طرف بڑے ادب سے بڑھے۔ اور انتہائے رنج و الم میں اس وقت اپنے فلسفہ اور سائنس کے تمام اصولوں کو بھلا بیٹھے۔ اپنے سب سے چھوٹے شاگرد کی لاش جس کی زندگی سے ان کو بڑی بڑی امیدیں تھیں۔ جس کو تصور خیال میں انہوں

نے اکثر دنیا با سب سے نامی آدمی دیکھا تھا۔ ان کے سامنے پڑی تھی + بیرنج واندوہ سے بھرے ہوئے دل اور آنسو ٹپکتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے + پھر اس کے ٹھنڈے سفید چہرے کو اپنے زانو پر رکھ لیا۔ بال بچھے کر کے اس کی پیشانی پر ہوسہ دیا۔ اور کہا: بچے تجھے موت نے کس قدر جلدی چھین لیا۔ تیرے ابا کے خیال میں موت تیرے لئے سب سے اچھی چیز تھی۔ ہاں سچ ہے۔ ایسے باپ اور ماں کے ساتھ جی کر تو کیا کرتا۔ اور شاید ایسے اتاد کے ساتھ بھی۔ کیونکہ میں نے بھی تیرا دل توڑا + اچھا جس خدا کی تلاش میں تو چلا ہے۔ وہ ہم سب کے گناہ معاف کرے۔ اور میرے لعل میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ تیری خاطر سے ضرور سوچوں گا۔ کہ تیرے ایسے بچوں کو بجائے ناشک بنانے کے دینی تعلیم دینا۔ اور خدا سے عروصل کے قدموں تک پہنچا کر وہیں چھوڑ دینا اچھا ہے یا نہیں ؟

پھول تو دو دن بہا رہا نفزا دکھلا گئے۔ حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مہا گئے +
 مصوم مرحوم کے انتقال پر طلال کی خبر گاؤں بھر میں دلی رنج واندوہ اور نہایت
 فلق و اضطراب کے ساتھ سنی گئی + آج گھر گھر لائسل کی بے وقت موت اور اس کی
 مختصر زندگی کی لانتہا مصیبتوں کا چرچا تھا + گاؤں بھر کے پیر و جوان جنازہ کے ساتھ
 تھے۔ اور آج صبح پھر ایک دفعہ ریون ڈویل ایک بڑے ہی پروردگام میں مصروف
 اپنی پیاری بچی کی قبر کے پاس ایک دوسری قبر کھود کر اسی کے کنارے کھڑا ہوا بھری
 ہوئی آنکھوں سے اس ہجوم کو دیکھ رہا تھا + پروفیسر کیڈنگور قبر کی دوسری جانب
 تعظیماً سر جھکائے ہوئے فاتحہ کے زبیر الفاظ بغور سن رہے تھے + نرم دل پادری

نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: خداوند کریم نے اپنی لائٹھاوانش اور مہربانی سے، آج ہمارے اس پیارے محصوم بھائی کو دنیا سے اٹھا لیا ہے۔ چنانچہ ہم اس کا جسم خاک کی اس پوسے یقین کے ساتھ کہ وہ پھر ایک روز زیادہ شان دار صورت میں اٹھے گا۔ اور خدا سے دو عالم کا ایک جزو بنے گا۔ سپرد خاک کرتے ہیں۔“

مسٹر ویلکورت حضرات سے ان الفاظ کو سنتے رہے، ان کی طبیعت گھبرا رہی تھی۔ کہ ان کو مسیحی مذہب کے قواعد کے مطابق اپنے بچے کے جنازہ کی آخری رسمیں ادا کرنی پڑیں۔ اور خداوند کریم کا نام سن کر جب ساری خلقت نے تعظیماً گھٹنے ٹیکے۔ انہوں نے گردن تک نہ جھکائی۔

تھوڑی دیر میں سب گاؤں والے نہایت پُر درد دل کے ساتھ رخصت ہوئے بعض نرم دل عورتیں آنسو پونچھ رہی تھیں۔ اور بعض دوسری کے بے قرار دل کو تسکین دینے کی کوشش میں تھیں، مسٹر ویلکورت اور پروفیسر کیڈ منگور بہت دیر تک وہیں کھٹے رہے۔ اور ننھے لائٹل کے مُردہ جسم کو جو اس وقت پھولوں سے بالکل ڈھکا ہوا تھا۔ دیکھتے رہے، ریون ڈیل بڑی ہمدردی سے مسٹر ویلکورت کے پاس گیا۔ اور پُر درد الفاظ میں ان کو تسلی دینی چاہی۔ اور کہا: ”خدا آپ کو صبر دے۔ اس کی مہربانی سے آپ اس سخت صدمے کو بردھ سکیں۔ وہ آپ پر رحم کرے“ مسٹر ویلکورت نفرت سے پروفیسر کی طرف مڑے۔ اور پوچھا: ”کیا یہ کچھ انعام چاہتا ہے؟“

ریون ڈیل نے آگے بڑھ کر کہا: ”نہیں۔ نہیں صاحب آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہ تھا۔ ابھی صرف پانچ دن ہوئے۔ میں نے اپنی نئی بچی کو سپرد خاک کیا تھا۔ اور اگرچہ آپ بڑے آدمی ہیں۔ اور میں بیچارہ ایک غریب مزدور۔ مگر میری اور

آپ کی حالت اس وقت یکساں ہے + میری چھوٹی لڑکی اور آپ کا عزیز بیٹا ایک دن
 یہاں ہی آکر کھیلے تھے + اس بیماری کے آخری الفاظ یہ تھے۔ کہ لائنل کو میرا پیار کتنا۔
 اور اس کی آخری آرزو یہ ہے۔ کہ تمہیں کے پاس مجھے بھی دفن کرنا + خدا کی حکمتیں
 ہماری عقل سے باہر ہیں۔ اور میں نے صرف آپ کی تسلی کو یہ کہنے کی جرات کی +

مشرو ویلیکورٹ تک بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے۔ شاید تعجب کرتے تھے۔
 کہ یہ مزدور میری اور اپنی حالت میں یکگانگت بنانے کی ہمت کرتا ہے + پھر بولے: "میری
 تسلی کو؟ میں اس دن کو۔ جب تمہاری لڑکی کے ساتھ میرا بچہ کھیلا۔ اس کی زندگی کا سب
 سے منحوس دن خیال کرتا ہوں۔ ممکن تھا اگر اسے اس کی موت کا اتنا صدمہ نہ ہوتا۔ تو
 وہ اس طرح خودکشی نہ کرتا۔ اور خدا کی مصلحت کا مجھے ہرگز یقین نہیں +"

"اچھا! ریوین نے کہا" تو مجھے آپ کے ساتھ اور بھی ہمدردی ہے۔ کیونکہ آپ
 کو اس عظیم صدمہ کا برداشت کرنا اور بھی گراں گزرے گا + آپ خدا کا یقین کریں یا نہ کریں
 آپ کا صدمہ بھاری ہے + آپ سے بڑا ہی ہونہار لڑکا ہمیشہ کو جھٹا ہوا +

مشرو ویلیکورٹ بغیر جواب دئے مڑ گئے۔ اور گھر کا راستہ لیا۔ مگر پروفیسر کیڈ منگور
 تھیرے رہے + انہوں نے اپنی ٹوپی اتاری۔ اور ریوین ڈشیل کی طرف مصافحہ کے واسطے
 ہاتھ بڑھایا + وہ تعجب سے جھبکا۔ مگر پروفیسر کی آنکھوں کو دیکھ کر۔ کہ آنسوؤں سے بھری
 ہوئی تھیں۔ اس نے ان کا مطلب سمجھا۔ اور ہاتھ پکڑ لیا + پروفیسر نے کہا: "مجھے یہ لڑکا
 عزیز تھا۔ مجھے دنیا میں کسی سے محبت نہیں۔ مگر اس سے پیار کرنا میں نے سیکھ لیا تھا +
 اس کے والد اس کا خیال بہت جلد بھلا دیں گے۔ مگر میری آرزو ہے۔ کہ تم اس کی اس
 آخری آرام گاہ کو ہمیشہ اچھی حالت میں رکھنا۔ اور اگر اس کے متعلق کوئی خرچ ہو۔ تو

میں ادا کروں گا۔

”خریج! صاحب اس میں کیا خریج ہو سکتا ہے؟ اس کا خریج صرف وہ خون کے آنسو ہوں گے۔ جو ہمیشہ میری آنکھیں ان دونوں کی قبر پر بہایا کرے گی۔ میری بچتی کی قبر سے لائنل کی قبر کا کچھ تھوڑا سا فاصلہ ہے۔ اور جب تک میرے دم میں دم ہے۔ یہی دونوں چھوٹی قبریں سب سے اچھی اور خوب صورت نظر آئیں گی، گلاب اور مٹی کے پھول ہمیشہ ان معصوموں پر سایہ کئے رہیں گے۔ اور اس میں سوائے تھوڑی سی محبت اور خیال کے کچھ خریج نہ ہوگا۔“

پروفیسر نے پھر اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اور مصافحہ کیا، خدا کی برکتیں تمہارے اوپر ہوں، کہتے ہوئے انہوں نے ایک آخری الوداعی۔ محبت بھری نظر پھر اپنے ننھے شاگرد کی تربت پر ڈالی۔ اور یاس و حسرت سے سر جھکائے ہوئے گھر لوٹ گئے۔

اندھیرا ہونے کے پہلے قبرستان سنان ہو گیا تھا، عبادت گاہ کے ایک کمرے میں تو کوئی شخص بیٹھا ہوا بھین گار ہا تھا۔ مگر باہر بالکل خاموشی تھی۔ صرف ان دونوں ہی بنی ہوئی تربتوں پر۔ جن میں دو معصوم پھول سے بچے ہمیشہ کو بیٹھی نیند سو رہے تھے۔ ایک خوش گل و بلبل مرثیہ خوانی میں مصروف تھی۔

